ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں زمان فرخندہ آوان نسخہ

مسمّٰی بہ

دیوانِ ظفر

برائے فرم

میاں چنن دین محمد شریف تاجران کتب

و مالکان

کتبخانہ مقبول عام ریلوے روڈ لاہور

بار دوم — متصل مسجد دالگراں — ۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیوان ظفر

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا
اس جائے بے زبان ہے دہن قال و قیل کا

پانی میں اُس نے راہبری کی کلیم کی
آتش میں وہ ہوا چمن آزار خلیل کا

اُس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا
لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا

پیدا کیا وہ اُس نے عوج بن عنق
پُل جس کی ساق پار سے بنا رود نیل کا

پھرتا ہے اُسکے حکم سے گردوں پہ رات دن
چلتا ہے یاں عمل کوئی بجر ثقیل کا

بلوایا اپنے دوست کو اس نے وہاں جہاں
مقدور پر زدن نہ ہوا جبرائیل کا

کیا پائے کنہہ ذات کو اُس کی کوئی ظفر
واں عقل دخل ہے نہ ہرگز دلیل کا

مژدہ اے دل کہ میرے پاس وُہ یار آویگا
خاک راہ اُس کی بنوں گا وُہ سوار آویگا

اس لئے صید گر عشق میں ہم صید رہے
کہ کبھی صید فگن بہر شکار آویگا

دیکھ اے دل تو نہ پی جام محبّت کی شراب
بے مزہ ہو ویگا جس وقت خمار آویگا

دم لبوں پر ہے مرا آجو تجھے آنا ہے
مجھ کو کیا گرچہ پس از مرگ ہزار آویگا

یہ جو آئینہ صفت غیر سے ہو جائیگا صاف
تیری جانب سے مرے دل میں غبار آویگا

یہ یہیں تک گلہ کیسا نہیں کوئی تمیز
گنتیاں بھولیں گے جب روز شمار آویگا

لے گیا ایک ہی بار آنے میں دل اپنا ظفر
ہو گا کیا دیکھئے جب وہ کئی بار آوے گا

یار دیرینہ ہے پر روز ہے وہ یار نیا
ہر ستم اس کا نیا اس کا ہے ہر پیار نیا

نئے انداز کا ہے دام بلا طرۂ یار
تیرا اقرار نیا ہے تیرا انکار نیا

تیری ہاں میں ہے نہیں اور نہیں میں ہے ہاں
روز ہے ایک نہ ایک آئینِ گرفتار نیا

کیسے بیدرد دلِ آزار کو دل ہم نے دیا
روز ہے درد نیا روز ہے آزار نیا

کیا قیامت ہے ستمگار تیری طرزِ خرام
فتنہ ہر قدم پہ اُٹھا دمِ رفتار نیا

وہ دوا کس کی کریں دیکھتے ہیں روز طبیب
تیرے اس نرگسی بیمار کا بیمار نیا

پھرتے ہم اُس سے ظفر دل کا جو سودا پھر جائے
ایک موجود ہے اور اس کا خریدار نیا

ہاں فرد سوزِ دل اکدم نہ ہوا پر نہ ہوا
اور گریہ جو بڑھا کم نہ ہوا پر نہ ہوا

سنکر احوالِ جگر سوزِ غریب عاشق کا
ہائے افسوس تجھے غم نہ ہوا پر نہ ہوا

کشتۂ ناز کے افسوس جنازہ پہ ذرا
چشم پُر آب تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

چارہ گر کی نہیں تقصیر بہت کی تدبیر
کارگر زخم پہ مرہم نہ ہوا پر نہ ہوا

سُنکے نالوں کو مرے ہو گئے پتھر پانی
سر مژگان بھی ترا نم نہ ہوا پر نہ ہوا

مثلِ مے آگیا دم ناک میں اپنا لیکن
یار اپنا کبھی ہمدم نہ ہوا پر نہ ہوا

میری جانب سے پڑی اک گرہ دلمیں تیرے
سُست پیماں ترا محکم نہ ہوا پر نہ ہوا

ہوں وہ آزادہ کہ جوں سروِ کسی کی خاطر
قدِ تعظیم مرا خم نہ ہوا پر نہ ہوا

رات ہمسائیوں نے اُٹھ اُٹھ کے دعائیں مانگیں
شورِ نالہ مرا مدہم نہ ہوا پر نہ ہوا

ہمکی صانعِ قدرت نے دئیے بہا
کسی مخلوق پہ حاکم نہ ہوا پر نہ ہوا

کھل کھلا کر ہنسے گلشن میں ہزاروں غنچے
دلِ ہمارا خوش و خرم نہ ہوا پر نہ ہوا

اے ظفر دیکھئے عقبےٰ میں ہو کیا حال اپنا
چین دنیا میں تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

آیا نہ اگر نامۂ و پیغام کسی کا
آخر ہے کوئی روز میں یاں کام کسی کا

دیں جان تو ہم غیر کو دو بوسہ ستم ہے
لے جائے کوئی اور ہوا نام کسی کا!

اُس چشم کی گردش سے ہو دل کیونکہ نہ پا
گھر چھوڑے ہے کب گردشِ ایام کسی کا

وہ کرتے ہیں آرام سدا غیر کے گھر میں
کیا غم ہے انہیں جائے جو آرام کسی کا

شب نالۂ مہ رشک سے گردوں پہ نہ نکلا
چھلا نہ پڑا دیکھا لبِ بام کسی کا

ساقی نہ سمجھ دیا کہ اوندھا ہے فلک کیوں
مدت سے ہے اوندھا ہوا بس کام کسی کا

جو ہے وہ مرے نام سے ہے عشق میں آگاہ
بدنام ظفر ہو نہ غرض نام کسی کا

ہم نے دنیا میں آکے کیا کیا دیکھا
دیکھا جو کچھ وہ خواب سا دیکھا

ہے تو انسان خاک کا پتلا
ایک پانی کا بلبلا دیکھا

خوب دیکھا جہاں کے خوباں کو
ایک تجھ سا نہ دوسرا دیکھا

ایک دم پہ ہوا نہ باندھ حباب
دم کو دم بھر میں یہاں ہوا دیکھا

سامنے اُس نگاہ کے دل کو
ہدفِ ناوکِ قضا دیکھا

نہ ہوئے تیرے خاکِ پا ہمنے
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

اب نہ دیجے ظفر کسی کو دل
کہ جسے دیکھا بے وفا دیکھا

ڈالے ہوئے گردن جو میرا نامہ بر آیا
حیران ہوں کہ دیکھئے وہ کیا خبر لایا

صورت ہے بتوں کی عجب اللہ کی قدرت
ہر جلوے میں اِک اور ہی جلوہ نظر آیا

گر فکر میں ہو راہ کے توشہ کا کرو ذکر
اے غافلو نزدیک ہے روزِ سفر آیا

باندھی جو تیرے ہاتھوں میں کل غیر نے مہندی
آنکھوں میں میری دیکھ لہو ہو کے اتر آیا

لوٹیگا پڑا خاک کے بستر پہ وہ تا حشر
آرام کی گھڑی کو جو ہستی میں دھر آیا

کیا حرف زباں پر تری آیا تھا اے شمع
گلگیر تیرے سر پہ جو منہ کھول کر آیا

کیا جانے بنی قیس یہ کیا دشتِ جنوں میں
جو خاک بسر آج بگولا نظر آیا

اک ہم ہی نہیں بیخبر آئے ہیں جہاں میں
جو آیا جہاں میں ہے سو وہ بے خبر آیا

ہیں شرم سے عصیاں کے ہوا سر بگریباں
جس وقت خیال آہ اُدھر کا ظفر آیا

چشم میں دنبالہ دیکھو اُس بتِ گمراہ کا
مست آہو منہ میں کیا تنکا لئے ہے کاہ کا

کونسی میکش کی دعوت ہے فرشتوں میں ہے دھوم
دیکھ کر فلک کا اور ساغر ماہ کا

خال کاجل کا نہ سمجھو اس زنخداں کے قریب
آگیا ہے ہاتھ زنگی کے کنارہ چاہ کا

کہکشاں کا خط نہیں یہ صاف آتا ہے نظر
عکس فانوس فلک میں میری شمع آہ کا

منزلِ الفت میں غم میں جدا کیونکر کروں
مجھ کو ہے اُس کا سہارا یہ ہے توشہ راہ کا

اس کے دنداں پر نہیں مسّی ہنسی کو دیکھنا
بے قلم کیا جا بجا لکھا ہے نام اللہ کا!

رتبۂ عالی ہے اُس کے آسماں بھی پشت ہے
اے ظفر جو خاک پا ہے فخر عالی جاہ کا

خوشی خوشی ہے جو خبر نامہ بر لئے آتا
یہ کچھ نہ کچھ ہے خوشی کی خبر لئے آتا

ممانعت نہ کر اتنی خدا سے ڈر ظالم
ہمیں ہے شوق تیرا تیرے گھر لئے آتا

قدم رکھے ہے وہی عاشقی کے میداں میں
کہ جو ہتھیلی پہ ہے اپنا سر لئے آتا

جب اشک آتا ہے مژگاں تلک مرے دل سے
تو ساتھ اپنے ہے لختِ جگر لئے آتا

ہزار آپ کو وہ کھینچتے ہیں پر ان کو
میرا ہی جذبۂ دل کھینچکر لئے آتا

بچے کب اُس بتِ صیاد وش سے طائرِ دل
کہ دامِ زلف کو ہے دوش پر لئے آتا

کہاں وہ جائیں کہ میری نظر سے ہوں غائب
تصوّر ان کو ہے زیرِ نظر لئے آتا!

جو آتا ہے تیرے مژگاں کا ذکر چھڑتا ہے
مرے لئے ہے ہر اک نیشتر لئے آیا

ظفر ہے واسطے ہر طفل کے مہیا شیر!
کہ رزق ساتھ ہی اپنے بشر لئے آتا

متری

کرے وہ تیغ لے کر ہاتھ کو اپنے اگر اونچا
یقیں ہے ہو سکے اس دم نہ رستم کا بھی سر اونچا

خیال اُس ماہرو کا ہے جواب عرش معلی پر
بنایا چاہتا ہے کاخِ گردوں سے بھی گھر اونچا

گرا جو آشنا اس میں نہ نکلا وہ قیامت تک
کنارہ عشق کے دربار کا ہے کس قدر اونچا

بل گردوں میں بازو دیکھنا کہ زور بازو ہے
اُٹھایا اپنے سر سے اب جو ہے نالِ قمر اونچا

بھرے کیونکر نہ دم حاتم سخاوت [illegible]
رہے گھر جو سرِ دست زرفشاں تیرا ظفر اونچا

میں ہوں وہ سوختہ جاں ان بت گمراہوں کا
جس کا پہنچے ہے دھواں چرخ فلک آہوں کا

خاک ہو کر بھی بگولے کی طرح چین نہیں
حال ابتر ہے یہ کچھ تیرے ہوا خواہوں کا

حج اکبر ہو جسے کعبۂ دل سے حاصل
ہو خیال اُس کو بھلا کس لئے درگاہوں کا

جائیگا جب کہ نہ خاک مرا سوختہ جاں
گرم ہو جاویگا پانی وہیں سب چاہوں کا

اے ظفر دل سے ہوں میں خاک درِ فخر الدین
معتقد میں نہ گداؤں کا ہوں نے شاہوں کا

کیا وصف جبیں میں کہوں اس ماہ جبیں کا
اک تختہ سراسر ہے وہ فردوس بریں کا

یا صبح ہے یا آئینہ یا ہے ید بیضا
یا صفحۂ رخسار کسی شوخ جبیں کا

یا مشتری و زہرہ ہے یا مہر درخشاں
یا جلوہ پر نور ہے یا ماہ جبیں کا

یا تختۂ حورین ہے کہ لوح اُسی میں
یا صفحۂ سادہ کسی انمول نگیں کا

کیا روز زمیں شعر ہیں یہ تو نے نکالے
ہے وصف ظفر اس میں بیاں اُسکی جبیں کا

نہیں دیکھ بہتر ستانا کسی کا
کڑھانا کسی کا کڑھانا کسی کا

عزیزو میرے آ گئے جز ذکر دلبر
نہ لانا کسی کا نہ لانا کسی کا

مجھے یاد آتا ہے ہنس ہنس کے یارو
رولانا کسی کا رولانا کسی کا

کبھی تو سنا کر ذرا گوش دل سے
فسانہ کسی کا فسانہ کسی کا

مجھے یاد کر کے گر گئے آنسو بہانا
بہانہ کسی کا بہانہ کسی کا

نہ سمجھا تو ناصح کہ مدت سے ہیں ہم
دیوانہ کسی کا دیوانہ کسی کا

نہ ہووے گا دل تیر مژگان بن کے
نشانہ کسی کا نشانہ کسی کا

نہ مانا کرو میری جانب سے اب تم
لگانا کسی کا لگانا کسی کا

قوالی بدلکر ظفر پڑھ غزل تو
رہے تا نہ آگے ٹکانا کسی کا

دیگر

جلا جی نہ دل مفت لیکر کسی کا
کہا بھی تو مان اے ستمگر کسی کا

نہ کیوں تنگ ہو کشمکش سے قفس میں
نہ باقی رہا ایک شب پر کسی کا

بھلا ہووے کس روئے لب غنچہ رو کش
کہاں منہ ہے اسکے برابر کسی کا

دل اُس کا ملے کس طرح پھیر دل سے
کہ بس کب چلے ہے کسی پر کسی کا

چو مژگان کا عالم ہے اب اس کے ہمدم
نہ دیکھا کوئی ایسا خنجر کسی کا

یہ جی چاہتا ہے کہ سر ہی سے ماریں
اُٹھا کر ہم اُس در سے پتھر کسی کا

بدل بحر اور قافیہ کو ظفر تو
کہ خوش ہووے دل شعر سن کر کسی کا

درد دل کس سے کہوں کوئی بھی غمخوار نہیں
غم فرقت کے سوا

اور اگر پوچھے کوئی قابل اظہار نہیں
چپکا رہنا ہے بھلا

زلف کے پیچ سے چھٹ سکتا نہیں کوئی دل
اور یہ پیچ بہ پیچ

کونسا دل ہے کہ جو اس میں گرفتار نہیں
ہے عجب دام بلا

سینکڑوں ہیں جگر افگار ہزاروں دل ریش
تیرے ہاتھوں لیکن

پاس تیرے کوئی خنجر نہیں تلوار نہیں
ہاں مگر ناز و ادا

کیا تیری چشم سیاہ مست کی کیفیت
کہ جہاں ہے مست

جس کو اب دیکھو وہ بیہوش ہے ہوشیار نہیں اے بتِ ہوش رُبا
مر مٹے خاکِ درِ یار پہ عشاق ظفر کہ جو ہونا سو ہوا

رات بھر مجھ کو غمِ یار نے سونے نہ دیا
صبح کو خوفِ شبِ تار نے سونے نہ دیا

شمع کی طرح مجھے رات کٹی سولی پر
چین سے یادِ قدِ یار نے سونے نہ دیا

یوں کراہا ترا بیمارِ الم درد کے ساتھ
کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا

اے دلِ زار تو سویا کیا آرام سے رات
مجھے پل بھر بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں نگہبانوں کو
میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

سوؤں میں کیا کہ مرے پاؤں کو بھی نیند نہیں
آرزوئے خلشِ خار نے سونے نہ دیا

یاس و غم رنج و الم میرے ہوئے دشمنِ جاں
اے ظفر شب کو چانے سونے نہ دیا

میری آنکھ بند تھی جب تک وہ نظر میں نورِ جمال تھا
کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ وہ خواب تھا یا خیال تھا

دمِ بسمل اے بتِ عشوہ گر خوشی کی سی ہوئی مجھے
خمِ تیغ تیرا جو سامنے نظر آیا مثلِ ہلال تھا

کہوں اس تصورِ یار کو کہوں کیوں نہ اُس کو خجستہ خو
کہ یہی تو دشتِ فراق میں میرا رہنمائے فراق تھا

مرے دل میں تھا کہ کہوں گا یہ مرے دلمیں رنج و ملال ہے
وُہ جب آگیا میرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا

وہ ہے بیوفا وہ ہے پر جفا وہاں لطف کیسا وفا کہاں
فقط اپنا وہم و خیال یہ خیال میرا محال تھا

پسِ پردہ سن کے تری صدا میرا شوقِ دید جو بڑھ گیا
مجھے اضطراب کمال تھا یہی وجد تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے چھوٹ کے جو جست کی تو یہ جانا ہم نے کہ واقعی
فقط ایک قید خودی کی تھی نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

نہیں عشق اُس کا تو ارتیخ ہمیں کہ قرار شکیب ذرا نہ رہا
غمِ عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

مطلع ثانی

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اُٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی خرابیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

ترے زلفِ رخ کے خیال میں اُٹھے مجھ پہ فتنہ روز جزا
تیری زلف کے دھیان میں کونسی شب میرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں کرو دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہدِ نشاط یہ دورِ طرب نہ رہیگا جہاں میں سدا نہ رہا

کئی روز میں آج وہ ماہِ لقا ہوا سامنے مرے جو جلوہ نما
مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا اُسے پاس حجاب و حیا نہ رہا

تیرے خنجر تیغ کی اب رواں ہوئے جبکہ سبیل زدگانِ رواں
گئے کتنے ہی قافلے خشک زباں کوئی تشنۂ آب لقا نہ رہا

مجھے صاف بتائے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو رو کے خونِ جگر
ملے پاؤں سے کس کی ہیں دیدۂ تر کفِ جور پہ رنگِ حنا نہ رہا

اُسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں میری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کیئے لاکھ فریب کروڑ فسوں مگر آہ نہ رہا نہ رہا نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دودم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

ظفر آدمی نہ اس کو جانئے گا وہ ہو کیسا صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

کسی کو ہم نے یہاں اپنا نہ پایا — جسے پایا اُسے بیگانہ پایا
کہاں ڈھونڈوں اُسے کس طرح پاؤں — کوئی بھی ڈھونڈھنے والا نہ پایا
ہلال عید کو گردوں پہ تیرا — بجز یک نعل قفس پایا نہ پایا
اُڑا کر آشیاں صرصر نے میرا — کیا صاف اِس قدر تنکا نہ پایا

اُسے پایا نہیں آساں کہ ہم نے — نہ جب تک آپ کو کھویا نہ پایا
دوائے دردِ دل میں کس سے پوچھوں — طبیب عشق کو ڈھونڈھا نہ پایا
گریباں چاک کیسا سینہ پر ہے — جنوں کے ہاتھ سے ٹانکا نہ پایا
صبا نے چین دم سیکھا ہے کس سے — چمن میں ہلتے اِک پتہ نہ پایا
ظفر دِل جانے یا ہم کون جانے — کہ پایا اُس میں اور کیا نہ پایا

مرغِ دل یوں تری مژگاں نے کیکر گانٹھا — جیسے چنگل ہو شاہیں نے کبوتر گانٹھا
جائے حسرت ہے کہ تارِ رگِ جان سے میرے — قفس پا کو نہ کسی نے مرے دلبر گانٹھا
نفسِ تند سے باہم ہے دمِ سرد مرا — میں نے اِس تیر کو اِس طرح ستمگر گانٹھا
ہم سے ہر بات پہ اکھڑے ہے جو توا ظالم — نہیں معلوم تجھے غیر نے کیونکر گانٹھا

کشمکش سے یہ اسیروں کی وہ ٹوٹا کہ ظفر
رشتہ دام کو صیاد نے پھر کر گانٹھا

آپ نے خوب کیا کاٹ میرا سر پھینکا — مگر میری لاش کو کیوں کوچہ سے باہر پھینکا
تیرے گھر خاتی ہے بیتابی دولتے چون ق — گاہ زمیں پر مجھے اور گاہ فلک پر پھینکا
روشِ برگِ خزاں دیدہ گلی سے اُس کے — اے صبا تو نے ہمارا تنِ لاغر پھینکا
ہوں میں سنگ کہ دہقانِ فلک نے مجھ کو — گردشِ دہر کی گردش سے پھرا کر پھینکا

دل سوزاں کو مرے لے تو لیا اُس نے ظفر
پر وہ جب چلنے لگا ہاتھ میں لے کر پھینکا

نہ ہرگز دردِ دل سے ہیں کراہا — غرض پوشیدہ الفت کو نبھاہا
محبّت کے یہ معنے ہیں کہ میں نے — وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا
عیاں ہیں صفحۂ رخ پر ترے خط — دیکھ تنخواہ نویسوں کا سیاہا
نہ کر منصور تو سرِ نہاں فاش — کہے ہے دیکھو دار انگشت اٹھایا

فقیروں سے تو پوچھ لذتِ عشق — آہاہاہا آہاہاہا آہاہاہا
ظفر کو باز رکھ اعمال بد سے — خطا بخشا کرم گارا الٰہا
صرف العمر فی لہو و لعب — فاہا ثم آہا ثم آیا
ظفر ہے عرض فخر الدین سے یہ — کہ شاہا دیں پناہا تکیہ پناہا

کرے ہے ذکر اُس کے روبرو کوئی اگر گل کا
تو وُہ قصہ سنا کرتا ہے پھر منہ پھیر کر گل کا

لگاتی ہے جو بلبل سوزنِ منقار سے ٹانکے
خدا جانے کیا ہے کس نے سو ٹکڑے جگر گل کا

عدم کو گلشنِ ہستی سے ہنستے ہنستے جائے گا
کہ جوشِ خندۂ گل ہے اب سفر گل کا

ہزاروں کھا کے گل ہم نے بنایا ہے یہ گلدستہ
ہمارے دستۂ گل پر عجب عالم ہے ہر گل کا

ترے دستِ حنائی سے جو کوئی بھی ہوا روشن
دہرا انگارہ اِس خاطر سے دستِ شاخ پر گل کا

فغانِ عاشق کی ناحق بنگئی معشوق کے حق میں
دماغ اب نالۂ بلبل سے کیونکر ہوئے تر گل کا

ظفر بادِ صبا کو ایک بار بھی جو دیکھا
اڑا کر لے گئی کس کو چمن سے صبح زرِ گل کا

کہوں کیا رنگ اُس گل کا آہا ہا ہا آہا ہا ہا
ہوا رنگین چمن سارا - آہا ہا ہا آہا ہا ہا

نمک چھڑکے ہے وُہ کس کس مزے سے دل کے زخموں
مزے لیتا ہوں میں کیا کیا آہا ہا ہا آہا ہا ہا

خدا جانے حلاوت کیا تھی آبِ تیغِ قاتل میں
لب ہر زخم ہے گویا آہا ہا ہا آہا ہا ہا

شرار و برق میں کیا فرق میں سمجھوں کہ دونوں ہیں
ہے اک شعلہ بھبوکا سا آہا ہا ہا آہا ہا ہا

بلا گرداں ہیں ساقی کہ جامِ عشق سے مجھ کو
دیا گھونٹ اُس نے اک ایسا آہا ہا ہا آہا ہا ہا

میری صورت پرستی حق پرستی ہے کہو میں کیا
کہ اِس صورت میں ہے کیا کیا آہا ہا ہا آہا ہا ہا

ظفر عالم کہوں میں کیا طبیعت کی روانی کا
کہ ہے اُمڈا ہوا دریا آہا ہا ہا آہا ہا ہا

ہم نے شبدیزِ قلم کو اپنے جب جولاں کیا
ملکِ معنی کا قلمرو یک قلم میداں کیا

جوں شرارِ سنگ ہم کو عشق کی گرمی نے آہ
دفعتہً پیدا کیا پھر دفعتہً پنہاں کیا

دیکھ غافل صانعِ قدرت کی تو صانع گری
ایک مشتِ خاک کو کیا صورتِ انساں کیا

بارِ عصیاں لے چلے دنیا سے رکھ کر سر پہ ہم
کیا کہیں اپنے سفر کا ہم نے کیا ساماں کیا

وصف کس کے عارضِ روشن کا لکھا جائیگا
صفحۂ اپنا چرخ نے جو شب کو یوں افشاں کیا

مل گئی ہیں خاک میں کیا جانے کیا کیا صورتیں
چشمِ نقشِ پا کو جن کے حسن نے حیراں کیا

اپنی غفلت پر ظفر ہائے تاسف ہے نہ آہ
ہم نے سب کچھ جان کر جو آپ کو ناداں کیا

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا
یا میرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا

خاکساری کیلئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دلِ صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن
زلفِ مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کی جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے
قابلِ جلسہ رندانہ بنایا ہوتا

تھا پلانا ہی اگر مے کو ساقی سے مجھے
تو چراغِ رہ میخانہ بنایا ہوتا

شعلہ حسن چمن نہ دکھایا اس نے
ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روزِ معمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

دیگر

وہ بے حجاب جو پی کر کے کل شراب آیا
اگرچہ مست تھا مجھ کو بھی پر حجاب آیا

ادھر خیال مرے دل میں زلف کا گذرا
ادھر وہ کھاتا ہوا دل میں وہ پیچ و تاب آیا

خیال کس کا سمایا ہے دیدہ و دل میں
نہ دن کو چین مجھے ہے نہ شب کو خواب آیا

تمہارے نقش کف پا کے بوسہ لینے کو
زمیں پہ سایہ کی مانند آفتاب آیا

وہ رخ صفا تیرا آئینہ رو برو جس کے
جب آیا شرم سے یہاں ہو کے غرق آب آیا

جب آیا طرۂ مشکیں کا میرے دل میں خیال
زباں پہ میرے دہن مشک ناب آیا

ترا سخن ہے ظفر وہ کہ سامنے تیرے
ہوئے خموش سخنور نہ کچھ جواب آیا

گور کنج فراغ ہے اپنا
داغ اپنا چراغ ہے اپنا

کون کنج حزن میں ہے دمساز
ایک دل سوز داغ ہے اپنا

اشکِ خوں میں ہیں بادہ گلگوں
دیدۂ پرخون ایاغ ہے اپنا

وعدہ وصل ہے جو اس گل سے
آج دلِ باغ باغ ہے اپنا

ڈھونڈھتا ہے خدا کو تو زاہد
ہم کو قصدِ سراغ ہے اپنا

جیسے اس ماہ جبیں کے عاشق ہیں
آسماں پر دماغ ہے اپنا

اے ظفر کیجیے سیر وسعت دل
کہ یہی باغ راغ ہے اپنا

دیگر

الفت کا مِلا ہم کو مزا یار کسی کا — بیجا کبھی ہوتا نہیں اقرار کسی کا
گر ہم ہیں گنہگار تو کر خاک کا پیوند — پردہ نہ اُٹھا چرخِ ستمگار کسی کا
جو آئینہ اب حیرتِ دیدار سے تیرے — رہتا ہے کھلا دیدہ بیدار کسی کا
رونے کا رہیگا یہی عالم تو پھر اک دن — گھر دیگا ڈبا دیدۂ خونبار کسی کا
شانہ سے نہ کیونکر کرے بل اب وہ سراسر — دِل زلفِ بتاں میں ہے گرفتار کسی کا
تک یونہی سنہر برق صفت آن کے لیتا — پہلو میں تڑپتا ہے دلِ زار کسی کا

ہنستے کو ہین سے رکھ اپنے ظفر
محتاج نہیں حیدرِ کرار کسی کا

دیگر

یوں تو جانا تمہیں منظور جہاں ہو جانا — پر جو آنا ہو ادھر سے تو یہاں ہو جانا
آنسوؤں کا مری آنکھوں سے رواں ہو جانا — اور مرا راز یہاں سب پہ عیاں ہو جانا
دوستی کے ہیں سب انداز تمہارے معلوم — پر کہیں تم نے مرے دشمنِ جان ہو جانا
مژہ یار کو کیا جانے سکھایا کس نے — جگر و دل میں مرے تیر و سنان ہو جانا
دیدیا ہم نے دل اس جانِ جہاں کو اپنا — تھا نصیبوں میں جو رسوائے جہاں ہو جانا
عشق دمساز اگر ہو تو عجب کیا یوں ہی — استخواں کا مرے لبریز و فغاں ہو جانا
یوں تو پروانہ بھی جل جائے ہے پر مشکل ہے — عشق میں میری طرح سوختہ جان ہو جانا
دیکھنے جاؤ میری جان ہے کیونکر جاتی — ابھی بالیں سے مری جاتے کہاں ہو جانا
رہ گیا ہی سے فقط نام و نشاں کی خواہش — اے نگیں چاہیئے بے نام و نشان ہو جانا
گھر سے عاشق کے نہ جانا تھا خفا ہو کے تجھے — تیرا جانا اور اُس کو خفقان ہو جانا

ہم کو دکھلائے ہے ہر لحجہ جمال جاناں
دل کا صاف اپنے ظفر آئینہ ساں ہو جانا

دیگر

لاغری سے حال اپنا کیا کہوں کیا ہو گیا — میں زمیں پر نقشِ پا سے مور گویا ہو گیا
جل گیا ہے جگر اس روئے آتشناک سے — قطرہ شبنم نہیں ہے یہ پھپھولا ہو گیا

اپنے زخمی سے تڑپ کر تو جو بولا جنگ جو
ٹوٹنے یوں زخموں کے ٹانکے اک تڑاقا ہو گیا

جبکہ دریا میں پڑا ساقی کا عکس تاب رخ
ساغرِ خورشید اک حلقہ بھنور کا ہو گیا

آہ بھی میری کہ افعی ڈر کے کاٹا چرخ کو
زہر اُس کا یہ چڑھا اُس کو کہ نیلا ہو گیا

حسن جو تیرا دو چند آیا نظر تو شرم سے
ماہ کامل جوں ہمہ یک ہفتہ آدھا ہو گیا

پشتِ لعلِ لب پہ جب نکلا زمرد خام خط
ساغرِ یاقوت پر گویا کہ مینا ہو گیا

کھل گیا سارا جہاں گردوں پہ احوالِ زمین
چشم کی مانند جب پاؤں کا چھالا ہو گیا

ہے بہت وحشت بھی یہ موذی کہ مجھ کو اے ظفر
ہر قدم پر نیشِ کژدم مار صحرا ہو گیا

میرا تو حال ہونا آپ کی فرقت میں یونہی تھا
مجھے شکوہ نہیں تم سے میری قسمت میں یونہی تھا

رفیق اشفاق پر اُن کی اگر نازاں ہیں ہونے دو
کہ اُن کا ڈھنگ ہم سے بھی کبھی شفقت میں یونہی تھا

نہ بولے منہ سے کچھ غیروں میں ہم اچھا کیا ہم نے
ہمیں خاموش رہنا لازم اس صحبت میں یونہی تھا

اُڑائی خاک ہم نے خوب تھی مجنوں کو کیا طاقت
کہ وہ تو آگیا اس وادیٔ وحشت میں یونہی تھا

پذیرا اعراض غیروں کی ہوئی اِس طرح کیا باعث
گذارش کرتا بندہ بھی تو وہاں خدمت میں یونہی تھا

تم اچھے وقت آجاتے وگرنہ ہم تو مرجاتے
ارادہ ہو چکا اپنا غمِ فرقت میں یونہی تھا

دلِ بیمار جب ہم نے کہا تھا کر علاج اپنا
کہ آیا فرق کچھ تیری ابھی طاقت میں یونہی تھا

نہ تھی جائے گریز اے دل اگر تجھ کو محبت میں
تو آیا تو ارے دیوانے اِس آفت میں یونہی تھا

دکھا کر غیر کو صورت مجھے کیوں رشک سے مارا

کہیں تو مر رہا دیدار کی حسرت میں یونہی تھا
ظفر تم دیکھتے ہو جس طرح آئینہ کو حیران
کل اُن کو دیکھ کر میں بھی رہا حیرت میں یونہی تھا

دیگر

جام و سبو و خم سے نہ بھر اک اِس میں کا اک اُس میں کا
قطرہ تو چکھا دے ساقی پر اک اس میں کا اک اُس میں کا
جیسے کہ چشم میں آنسوں ہیں کب ہوتے صدف میں ایسے ہیں
دیکھو بچشمِ غور اگر اک اِس میں کا اک اُس میں کا
باغِ جہاں میں جو ہیں دونوں نخل جفاء و کرم
نام نیک و بد ہے ثمر اک اِس میں کا اک اُس میں کا
پایا جو سیپارہ قرآن ہم نے دِل سے پارہ کو
آیا جب درپیش نظر اک اِس میں کا اک اُس میں کا
حالِ دل و احوال جگر کیا اب بتا دیں ہم!
بیچ میں ٹکڑا اُس کو مگر اک اِس میں کا اک اُس میں کا
آتشِ دِل کو سمجھے نہ واعظ کمتر جہنم سے
دیکھے بھڑکتا شعلہ اگر اک اِس میں کا اِک اُس میں کا
کوئی غزل پر اپنی جو ناداں آگے تیری غزل کے ہو
شعر سنا دے ظفر اک اِس میں کا اِک اُس میں کا

ردیف بائے موحدہ

کیا ہم سے کیا نباہ کیا خوب
آئے نہ قرار پر وُہ شب کو
ہو غیر کے گھر میں روز جاتے
اوروں کو اشارہ کیوں ہو کرتے
مژگاں سے رہی ہے چشم بد دُور
ہر صبح ہے سر برہنہ خورشید

صد آفریں ان راہ کیا خوب
تا صبح دکھائی راہ کیا خوب
یہاں آئے ہو گاہ گاہ کیا خوب
ہم پر نہیں اک نگاہ کیا خوب
وہ ترک سپاہ نگاہ کیا خوب
پر زر ہے تیری کلاہ کیا خوب

ظلمات کہوں میں یا شب تار
ہے زلف تیری سیاہ کیا خوب

کیا کیا ستم یہ دکھائے تو نے
اے عشق ستم نباہ کیا خوب

رولاب نمط پھرا وہ ہر روز
کھینچے کب دل سے آہ کیا خوب

گاہے نہ کہا ظفر کو آؤ
بس دیکھی تمہاری چاہ کیا خوب

شام شفق دکھلاتی نہیں جان کیا سبب
ملکر جو مسّی کھاتے نہیں پان کیا سبب

تصویر یار تو نہیں آنکھوں کے سامنے
رہتا ہوں شکل آئینہ حیران کیا سبب

شانے نہ پوچھ لے دل صدچاک کی وجہ
برہم ہے چاک گل کا گریبان کیا سبب

کیا جانے کس کے عشق میں مجنوں ہوا ہے یہ
رہتا ہے چاک گل کا گریبان کیا سبب

یا رب میں داغ کھا کے پھرا ہاں تمام شب
جلتا ہوں مثل سحر و چراغان کیا سبب

اے چشم یہ تو چشم نہ تھی تجھ سے و مجھ کو تو
برپا کرے ہے فوج کا طوفان کیا سبب

طفل سرشک تو تو میرا نور دیدہ ہے
مژگاں کا میرے چھوٹے ہے دامان کیا سبب

ہمت سے تھا نہ دل مرا تو آشنا کبھی
پھر کیوں ہے غرق چاہ زنخداں کیا سبب

پہلو سے جا ظفر کے نہ اٹھ کر تو میری جان
کیوں بیٹھتا نہیں ہے تو اک آن کیا سبب

ردیف تائے فوقانیہ

ہوگئی دیکھ میری کیا صورت
اب تو ظالم کہیں دکھا صورت

نہ اگر تو دکھائے گا صورت
دیکھئے ہوگی اپنی کیا صورت

جب کہا میں نے میں ہوا تو کہا
مرنے والوں کی دیکھنا صورت

گرچہ یوسف تھا خوبصورت پر
تیری اُس سے بھی ہے سوا صورت

مثل آئینہ عاشق حیران
چپکے چپکے ہی تک رہا صورت

آئینہ خانۂ زمانے میں
ہے ہر اک اپنا آشنا صورت

در پہ آیا ہے مرے اب قاتل
دیکھتے سب ہیں آشنا صورت

اور بھی آتی ہے ہنسی اس کو
ہیں جو رونے کی یوں بنا صورت

اے ظفر مجھ کو اس صنم صورت
نہ دکھاوے کوئی خدا صورت

وہ تجھے حق نے دی صنم صورت
ہے نہیں کوئی تیرا ہم صورت

ہم تو ترسیں جمال کو تیرے
دیکھے آئینہ دمبدم صورت

نہیں پاتی ہے تیری صورت کو
کوئی اللہ کی قسم صورت

چڑھتا ہے مہر کو تپ و لرزہ
دیکھ کر تیری صبح دم صورت

رفتگانِ عدم کی پھرتی ہے
اپنی آنکھوں میں دمبدم صورت

ہو گئے ہیں مریض غم یارو
دیکھ کر چاند سی وہ ہم صورت

ہاتھ مانی نے اپنے چوم لئے
کھینچکر تیری یک قلم صورت

دشت گردی میں بھی ظفر اپنے
روبرو ہے وہ ہر قدم صورت

مست سب جان گئے ہیں ساقی مخمور کی بات
سوجھتی ان کو نشے میں ہے بہت دور کی بات

دار پر کھینچو یا قتل کرو جیسے تم
حق پرستو وہی پر ایک ہے منصور کی بات

چارہ گر جان چکے ہو کہ نہ ہوگا چنگا
مجھ سے کیا پوچھتے ہو زخم کے انگور کی بات

ناتوانی سے یہ احوال ہوا ہے اب تو
کہ سنائی نہیں دیتی تیرے رنجور کی بات

پیارا پیارا تیرا جیسا ہے کہ انداز کلام
بلکہ پری کا سخن ایسا ہے نہ ہے حور کی بات

سیمبر آتا نہیں بر میں عزیزو بے زر
مجھ میں مقدور نہیں یہ تو ہے مقدور کی بات

دولتِ حسن کا ہے جب سے ظفر اس کو غرور
خالی از غرہ نہیں کچھ بتِ مغرور کی بات

آجاتی ہے جسوقت تیری دھیان میں صورت
ہو جائے ہے یاں اور ہی اک آن میں صورت

بتخانہ کوئی چین میں کیا دیکھے گا کافر
تیری سی نہیں عالمِ امکان میں صورت

زلفوں سے تمہاری ہوں پریشان زیادہ
دیکھو مری اس حالِ پریشان میں صورت

ہوں عاشق سہر بانار مجھے بلہوس آکر
دکھلائیگا کیا عشق کے میدان میں صورت

ہے صاف تیرے تکمہ کی اختر میں شہادت
ملتی ہے مہِ نو کی گریبان میں صورت

یوسف بھی ہو جائے شوخ ترا خوِ تماشا
دکھا کے جو بھیجیں تیری کنعان میں صورت

دیوانہ ترا بن گئے جو میں خاک اڑاؤں
مجنوں کی بگڑ جائے بیابان میں صورت

مجھ بن ترا ہوئی شکل کہ پہچانتے ہیں دوست
مشکل سے میرے کلبۂ احزان میں صورت

کیا دیکھتا ہے آئینہ اے شوخ پری رو
دیکھ اپنی ظفر کے دلِ حیران میں صورت

ردیف ٹ

پلا نہ غیر کو صہبائے مشکبو کے گھونٹ
پیئے گا رشک سے ظالم کوئی لہو کے گھونٹ

نہیں ہے فیض سے محروم کوئی ساقی کے
کسو کے جام نصیبو نہیں ہے کسو کے گھونٹ

تمہارے شربت دیدار سے ہیں سب سیراب
نہیں نصیب میں پر اس پر آرزو کے گھونٹ

سکندر آبِ بقا سے پھر آیا تشنۂ لب
ملا نہ ایک بھی بعد اتنی جستجو کے گھونٹ

ظفر ہیں جرعہ زہر آب سے زیادہ تلخ
شرابِ الفتِ خوباں تند خو کے گھونٹ

ردیف ث

تجھ سے آزردہ ہوں کیا جان طلبی کے باعث
ہم تو ہیں تنگ صنم جان طلبی کے باعث

مرے زخموں سے نہ رکھ آبِ دمِ تیغ دریغ
خشک لب رہتے ہیں یہ تشنہ لبی کے باعث

تنگ آ کے مرے ہمسایہ مجھے کوستے ہیں
شور و فریاد جگر نیم شبی کے باعث

کیا تعجب ہے ظفر اپنے اگر جرم و گناہ
عفو ہو جائیں رسول عربی کے باعث

ردیف ج

میں کیا کہوں اُس بت کی جدائی کا غم و رنج
ہے میرے لئے ساری خدائی کا غم و رنج

چھوٹا بھی قفس سے تو کہاں طاقتِ پرواز
ہے مجھ کو بڑا اپنی رہائی کا غم و رنج

پوچھے کوئی غم کھانے کی عاشق سے حلاوت
رکھتا ہے مزا کیا یہ مٹھائی کا غم و رنج

ہر دم ظفر اک تیغ الم کھینچ کے دل پر
کیا ہاتھ لگاتے ہیں صفائی کا غم و رنج

ردیف چ

سب کارِ جہاں ہیچ ہیں اور کارِ جہاں ہیچ
اِس ہیچ سے امید ہے اے ہیچمدان ہیچ

جن ناموروں کے کہ جہاں زیرِ نگین تھا
اب ڈھونڈیے تو اُن کا ہے کہیں نام و نشاں ہیچ

مانند حباب ایک نفس میں تھی خرابی
اِس منزلِ فانی میں ہے بنیادِ مکان ہیچ

اک عمر ہی ہے خانۂ دنیا سے گرانبار
اخیر کو دیکھا تو بجز بار گران ہیچ

خوبانِ جہاں کا ہے تو کیا محوِ تماشا
جنکی کہ نظر ہیچ ہے جن کا وہاں ہیچ

اِس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر
ہے بہرِ گلِ خنداں مجھے تشویشِ خزاں ہیچ

ہو جنسِ ننگ مایۂ ہستی کے نہ خواہاں	یہ جنس بہ بازار یہ گوہر بہ دکان ہیچ
آواز طرب گوشِ دلِ محوِ فنا سے	جز نالہ و فریاد بجز آہ و فغاں ہیچ
جو ہونی ہے سو ہو گی نہیں امکان کہ نہ ہو	پھر فکر سے کیا فائدہ غیر از خفقان ہیچ
پایا نہ بجز داغ سیاہ کاری دیگ عمر	نقشِ قدم قافلۂ عمرِ رواں ہیچ

کیا دیکھیں ظفر خانۂ ہستی کا تماشا
اِس وہم کدہ میں ہے بجز وہم و گمان ہیچ

مال و دولت و عزہ شان ہیچست و ہیچ	این ہمہ ہیچ و گمان ہیچست و ہیچ
از جگر کاوی چہ حاصل چوں نگین	در جہاں نام و نشاں ہیچست و ہیچ
کاروانِ عمرِ ما ہر دم رواں	لیک گردِ کارواں ہیچست و ہیچ
بے جمالت دولت و دنیا و دین	در نگاہِ عاشقاں ہیچست و ہیچ
نہ برائے ہیچ ہیچ اے دلِ ہیچ	کیں خیال این و آں ہیچست و ہیچ
گر نہ بیند جلوۂ حسنش ظفر	این تماشائے جہاں ہیچست و ہیچ
دلِ مرا الجھا ہوا ہے یار کے بالوں کے بیچ	کیا تماشا ہے کہ اک طائر ہے جالوں کے بیچ
چشمِ بلبل دیکھ جس کو مائل حسرت ہوئی	یہ چکن کے گل بنے ہیں تیرے رومالوں کے بیچ
جس طرح آتے نظر گرداب میں ہیں یہ حباب	یوں دکھائی دیتے ہیں موتی تیرے بالوں کے بیچ
رو برو ہوتے ہی دم نکلے ہے نفخِ صور کا	کیا قیامت شور ہے یارب مرے نالوں کے بیچ
لب تک آتی ہے مرے جب کبھی اک آہ گرم	دیر تک ہوتی ہے شورش مرے تبخالوں کے بیچ
دیکھ سنبل اشک گو نظروں میں مردم کے کہاں	کس طرف سے دوڑ آیا ہے یہ آب بالوں کے بیچ
آپ کا چوری سے جانا کھل گیا شاید ظفر	آج چرچا ہو رہا تھا اِنکے گھر والوں کے بیچ

ردیف حا مہملہ

ہم مانتے ہیں کب کسی غمخوار کی صلاح	اپنی وہی صلاح ہے جو ہو یار کی صلاح
اُس بے وفا کی ہو نہ سکے ترک دوستی	یہ ہم نے اور دل نے ہی کی یار کی صلاح
مر جایئے پہ نہ جئے گا منت کشِ مسیح	اب تو یہی ہے اس تیرے بیمار کی صلاح
کاکل میں دل پھنسے کہ گرفتار زلف ہو	فرمایئے جو اس میں ہو سرکار کی صلاح
انکارِ وصل کیونکر نہ ہو تیرا مشورہ	ہے ان سے جو نہ دیں کبھی اقرار کی صلاح

ٹھیری تھی اُن کی آئیں گے پھر آج اس طرف
لیکن نہ ٹھہری ان کے طرفدار کی صلاح
کہنے پہ کیجئے پیر خرابات کے عمل!
لیجئے نہ زاہدان ریاکار کی صلاح!
برگشتہ وہ ہوں کہ نہ بیچوں جو دل کو میں
اور لے رہا ہوں اس میں خریدار کی صلاح
کیا ذکر اپنے منہ نکالیں وہ ایک بات
جب تک کہ اے ظفر نہ ہو دو چار کی صلاح

خود رفتگان کو روئے کوئی کیا کسی طرح
چل نکلے پر قدم نہیں تھمتا کسی طرح
سوز و غم فراق سے دل اس طرح جلا
پھر ہو سکا کسی سے نہ ٹھنڈا کسی طرح
ٹوٹے ہزار خار غم و نشتر الم کے جب
پھوٹا نہ میرے دل کا پھپولا کسی طرح
نالوں سے میرے آب ہوگئے سنگ بارہا
اُس سنگدل کا دل نہ پسیجا کسی طرح
میں خاک ہوکے عشق میں برباد ہو گیا
دامن تلک پر اُس کے نہ پہنچا کسی طرح
سمجھایا تو نے ہم کو تو سو طرح ناصحا
لیکن ہمارا دل نہیں سمجھا کسی طرح
بے طرح دام زلف بتاؤں میں ہے دل اسیر
چھوٹے یہ اس بلا سے خدایا کسی طرح
روتے ہی روتے ٹوٹ گیا رشتہ حیات
پر آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹا کسی طرح
ٹھہرا ہے اک زمانے سے گردوں اگر بنے
اُس کو ظفر بنائے نہ سیدھا کسی طرح

ردیف خائے معجمہ

برگ گل باغ میں ہیں سرخ تو کیا خوب ہیں سرخ
پر حنائی یہ ترے ناخن پا خوب ہیں سرخ
اے صنم عرق بخوں کیوں نہ ہو صد رشک سے لعل
لب پان خوردہ ترے نام خدا خوب ہیں سرخ
دل پہ خوں کو کیا کس کس سے تو نے پامال
کف پا ترے جو بیرنگ حنا خوب ہیں سرخ
رات جاگا ہے کہاں پی کے شراب گلگوں
آج آنکھیں تیری اے ماہ خوب ہیں سرخ
خندق پا کو گلستاں میں ہے دھویا کس نے
پھول گل مہندی کے جو باد صبا خوب ہیں سرخ
آیا ہے کس پہ تو یوں آگ بھبھوکا بن کر
تیرے رخسار جو اے ہوش خوب ہیں سرخ
اشک گلگوں پس مژگاں ہیں بھبھوکا سا ظفر
نار کے پنجرے ہیں یہ دیکھ تو کیا خوب ہیں سرخ

خاک اڑائے دشت کی مجنوں جو تیر اکھائے چرخ
چرخ کے نیچے بگولا دوسرا بن جائے چرخ
میرا رونا دیکھ کر ہر رات تجھ بن مہ لقا
اشک انجم سے نہ کیونکر چشم بھر لائے چرخ
روبرو اس شعلہ رخسار گلگوں کے سرد
آتش رنگ شفق کو لاکھ گر بھڑکائے چرخ
گردش چشم اس مہ مہر کی دکھلا کے پھر
خوب سر گرداں پھرایا تو نے مجھ کو ہائے چرخ

گر اشارہ ہو نہ اُس مہ رو کے ابرو کا تو پھر
تیغِ ماہِ نو کو یوں ہر ماہ کیوں چمکائے چرخ

جو طمع سے ہاتھ کھینچے وہی تیرے ہاتھ سے
پاؤں اپنے بسترِ آرام پر پھیلائے چرخ

چرخ کی بے مہریوں سے ڈرہے اے مہروش
تو جو آئے مہر گھر اپنے ایسا نہ ہو شن پائے چرخ

ہے مزا برسات کا تجھ سے وگرنہ ساقیا
تار بارش سے ہے بہتر پر اگر برسائے چرخ

چرخ ساغر میں بھری کس کی مئے گلرنگ عشق
ہو گیا زہر آب غم سے سبزۂ مینائے چرخ

جب تلک تجھ کو نہ دیکھے اب کیا ہمیں
آنکھیں دکھلائیں ستارے آنتیں دکھلائے چرخ

آنکھ اس خورشید وش کی پھر نہ جائے اے ظفر
اُسکی کچھ پرواہ نہیں پھرتا ہے گر پھر جائے چرخ

عجب طرح کا ہے دِن رات آسمان کو چرخ
ہمیشہ چرخ سے اُسکے اک جہاں کو چرخ

ملاتا خاک میں ہے سب کو مثلِ نقشِ قدم
زمیں پہ رکھتا کسی کے نہیں نشان کو چرخ

تری وہ چشم کی گردش ہے جس سے اے ساقی
مثالِ جام ہے ہر پیر اور جوان کو چرخ

جو کشت و خوں ہمارے نہیں کمر باندھی
تو باندھے پھرتا ہے کیوں تیغِ کہکشاں کو چرخ

بچے جو چرخ کی گردش سے کیا بچے انساں
یہ چرخ وہ ہے کہ دے ہے فرشتہ خواں کو چرخ

نہیں ستارے یہ بھر لایا اپنی چشم میں اشک
شبِ فراق میں سُنکر مرے فغاں کو چرخ

جو خاک بھی ہوں ہوئے فخر دیں کسکے در کے
ظفر چھوڑائے نہ مجھ سے اس آستاں کو چرخ

دیگر

خونِ دل سے مرے لکھو اس خط میں حرف سُرخ
رنگ ہے اے کاتبو اس کا بہ از شنگرف سُرخ

جو بیسہ گل کا کہاں جو نالہ بلبل سے
کرتا ہے غصہ سے منہ پہلے ہی کم ظرف سُرخ

مانگی گرمی میں جو پانی پھر رفع ہو تشنگی
اسکے عکس روئے گلگوں سے ہوں آب برف سُرخ

گر نہیں ہے سر پہ خون اسکے کسی بے جرم کا
ہیں کلاہ قاتل سفاک کی کیوں طرف سُرخ

اشک خوں سے پاس اپنے ہیں زر سُرخ و سفید
گہ سفید اصراف ہم کرتے ہیں گاہے صرف سُرخ

ٹپکے اشک سُرخ کا قطرہ جو میری چشم سے
اے ظفر ہو جائے ہے اکدم میں آب برف سُرخ

ردیف ڈال

قدر اے عشق رہیگی تری کیا میرے بعد
کہ تجھے کوئی نہیں پوچھے گا میرے بعد

زخم پر دل کے گوارا ہے یہ مجھ کو نمک
کون چکھے گا محبت کا مزا میرے بعد

درِ جاناں سے مری خاک نہ کرنا برباد
دیکھ جانا ہوا گر بادِ صبا میرے بعد

خاک صحرا سے جنوں یونہی اگر تیز رہے — کوئی آئے گا نہیں آبلہ پا میرے بعد
میرے دم تک ہی تیرا اے دلِ بیمار علاج — کوئی کرنے کا نہیں تیری دوا میرے بعد
اس ستمگر نے مجھے جرمِ وفا پر مارا — کوئی لینے کا نہیں نامِ وفا میرے بعد
اے ظفر کیونکر محبت کو نہ ہو غم تیرا — کوئی غمخوارِ محبت نہ ہوا میرے بعد

دیگر

چڑھ گئی گرچہ میری خاک سے افلاک پہ گرد — نہ پڑی پر کبھی اُس ماہ کی پوشاک پہ گرد
خاک اڑائی جو رہِ حرص میں تو اور جمی — اہلِ دُنیا کے سوا جامۂ ناپاک پہ گرد
نہ چھپی دل کی کدورت کہ غبار خط سے — صاف ظاہر ہے تیرے روئے غضبناک پہ گرد
سمجھے ہے وُہ مرے مژگاں غبار آلودہ — دیکھ کر اپنی گلی میں خس و خاشاک پہ گرد
وہ مری گردشِ طالع ہے کہ جس کے آگے — ہو گیا کاسۂ گردش زدہ بھی چاک پہ گرد
دلِ پر آبلہ سے گر ہو مقابل تو صبا — جھاڑ دے خوشۂ انگور کے پس تاک پہ گرد
سراسر حرص و ہوا سے ہے مکدر عالم — اے ظفر سب کے پڑی ہے رخ ادراک پہ گرد

ردیف ذال معجمہ

کیونکر منسرو کو لگیں اس کی نہ دشنام لذیذ — جس کا شیریں ہو دلا نامِ خدا نام لذیذ
تشنہ لب جو کہ شہادت کے ہیں اُنکی قاتل — کیوں نہ شربت سے ہو بڑھ کر دمِ صمصام لذیذ
بے مزا قندِ شکر میں بھی نہیں ہے ہرگز — لبِ شیریں تیرے جیسے ہیں دلارام لذیذ
یاد چشمِ بتِ بدمست نے ہم کو ساقی — وقتِ مے نوشی کے کیا لگتے ہیں بادام لذیذ
لگ تو تو نخلِ محبت میں دلا ہو پختہ — یعنی ہوتا نہیں ہرگز ثمرِ خام لذیذ
ہے کہاں سیب ولایتی میں حلاوت ایسی — بوسہ جو تیری کا ہے گلِ اندام لذیذ
جو مزہ بادۂ الفت میں ظفر ہے دیکھا — ایسی ہوتی نہیں ہرگز مے گلفام لذیذ

چھپایا کس کا ہے تو نے کواڑ میں کاغذ — دھرا ہوا ہے جو پٹ کے دراڑ میں کاغذ
لکھے جو محضرِ خونیں کو کوہکن کے عشق — تو برگِ لالہ ہو بھری پہاڑ میں کاغذ
کسی کو لکھتے تھے خط وہ پلنگ پر بیٹھے — مجھے جو دیکھا چھپایا نواڑ میں کاغذ
جلے ہے جو مرا مضمون سوزِ دل پڑھ کر — کہے ہے پھینکو پرے ایسا پہاڑ میں کاغذ

یہ کس کی خانہ خرابی کے تم ہوئے درپے / دبائے لکھ کے جو تعویذ اجاڑ میں کاغذ
کھلا نہ ہم پہ کہ یہ کیا وہ زیب مسندِ ناز / چھپا کے دیکھے ہے تکیہ کی آڑ میں کاغذ
اگر ہے قیس کو منظور اشتہارِ جنون / تو لکھ کے باندھ دے ہر ایک جھاڑ میں کاغذ
گلی میں اس کی ہے قاصد ہجوم غیروں کا / سنبھالے رکھیو ذرا بھیڑ بھاڑ میں کاغذ
کریں رقم ہم اگر حال پائمال دل / رہے ہمیشہ قلم کو لتاڑ میں کاغذ
الٰہی خیر ہو پکڑا گیا ہے واں قاصد / بھول دے نہ کہیں مار دھاڑ میں کاغذ
رہی جو خط و کتابت کی چھیڑ ان سے ظفر / بہت سیاہ ہوئے اس چھیڑ چھاڑ میں کاغذ

تسلی بخش دل ہے یار کی تصویر کا کاغذ / مصوّر ہے یہ کاغذ بھی عجب تاثیر کا کاغذ
مجھے اے نامہ بر مضمون وصل یار کی دولت / یہ ہے نامہ کا کاغذ نسخہ اکسیر کا کاغذ
دلِ بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوں سے / نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ
وہ خط کو رکھ دیتا ہے اپنی منبر کے اوپر / بناتا ہے نشانہ جب کبھی وہ تیر کا کاغذ
لکھوں اس ماہ جبیں کا جو وصف عارض روشن / تو ہمسر نور میں بھی ہو پر تنویر کا کاغذ
لکھا میں چاہتا ہوں شکوہ اسکو سرد مہری کا / مرے نامہ کو قاصد چاہیئے کشمیر کا کاغذ
ظفر مضمون چاک سینہ نے تاثیر کی آخر / کیا ہے چاک اس نے عاشق دلگیر کا کاغذ

ردیف رائے مہملہ

خدنگ عشق ہوا گیا جگر کو توڑ کے پار / یہ تیر وہ ہے کہ جاوے حجر کو توڑ کے پار
ہزاروں روزن در بند کیجئے گا آپ / نگاہ جاویگی دیوار و در کو توڑ کے پار
اسے نہ آنکھوں میں تل سمجھو تم یہ روزن در / نظر کا تیر گیا ہے نظر کو توڑ کے پار
اتر سکا نہیں دریائے عشق سے کوئی / چلا ہے کس لئے فرہاد سر کو توڑ کے پار
فلک سے آہ ہماری گذر گئی ہے یوں / کہ جیسے تیر کوئی ہو سپر کو توڑ کے پار
کہاں سے اس لب نازک پہ وہ نگٹو نکلے نمود / ہوئے ہیں خاک سے گلبرگ تر کو توڑ کے پار
فلق سے تھا شب مہتاب میں یہ حال اس بن / ظفر ہوا ہی تھا نالہ قمر کو توڑ کے پار

جو عرش سے ہے فرش تلک وہ اس بین دیکھ آنکھ کھولکر

کیا کیا نہیں ہے اِس میں کہ سب کچھ اس میں ہے پر جائے نظر
دل پہلے اپنا زنگ کدورت سے صاف کر مانند آئینہ
پھر تو بغور دیکھ لے کہ اِس آرسی میں ہے کیا حسن جلوہ گر
پیدا نگاہ کر کہ تجلی حسن یار سب جا ہے آشکار
شعلے سے طور کے نہیں کم روشنی میں ہے پر سنگ کا شرر
کیوں کعبہ میں سر مارتا ہے تو ہے گر سرگرم جستجو
تو جس کو ڈھونڈھتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے پر تو ہے بیخبر
جوش بہار حسن سے کسی گل کے ہے اے صبا یہ جنوں کا جوش
مصروف اِس قدر جو گریباں دری میں ہے ہر غنچہ ہر شجر
ہے دور جام وصحبت یاراں زندہ دِل کیفیت حباب
کچھ ہے مزہ اگر تو یہی زندگی میں ہے باقی ہے دردسر
اے خودپرست پوچھتا ہے کیا خدا کی راہ ہے وہ بہت قریب
گم کردہ پھر رہا ہے جو ہر جا، تو بے خبر
صد داغ سوزِ عشق سے کہا بلکہ صد ہزار ہر داغ دل پہ تو
لذت تجھے نصیب اگر عاشقی میں ہے اے سوختہ جگر
افشار راز عشق نہ کر کہہ کے چپ کی بات پر دہی خوب ہے
جی ہی میں اپنے رہنے دے جو کچھ جی میں ہے خموش اے ظفر

پئے اگر جو تو آب شراب ساغر	نکالے موج سے دریا حساب کا ساغر
مدام پیتا ہوں خونِ جگر سے مے ساقی	بجائے جام ہے چشم پر آب کا ساغر
وہ کون مست ہے جس کیلئے یہ اے ساقی	سبوح فلک کا ہے اور آفتاب کا ساغر
عشق میں دیکھ کے بلبل کو ہر شجر ہر گل	بھرے ہے باعثِ شبنم گلاب کا ساغر
جو مست ہو ظفر اس چشم مست کو اسکو	نہ بھاوے ساقی خانہ خراب کا ساغر

دیگر

یا تو وہ رُسے تھے سرگوشی ہمیں ہے اس قدر	یا لگی ہونے سخن پوشی ہمیں سے اس قدر
ہم کو پاس اتنا نہ ہو ہر بات پہ پہلو تہی	اور تمہیں ہے ننگ خاموشی ہمیں سے اسقدر

ہوش میں آؤ ہمیں کہتے ہو تم بیہوش ہو ۔ کیوں میاں دلِ ہوش بیہوشی ہمیں سے اسقدر
لب پہ جان آئی ہماری لب ہوئے تیرے نہ دوا ۔ چاہیئے تھی تم کو خاموشی ہمیں سے اِس قدر
یہاں نہ لو یک جرعہ غیروں میں اڑاؤ خم کے خم ۔ واہ وا انکار مے نوشی ہمیں سے اس قدر
جو گل و بلبل چمن میں سب ہیں ہنستے بولتے ۔ سیکھی اک غنچہ نے خاموشی ہمیں سے اس قدر
کہتی ہیں وہ مست آنکھیں ساغرِ مے سے کہ دیکھ ۔ تجھ میں ہے مستی و بیہوشی ہمیں سے اس قدر
چشم وا ہیں حسرتِ دیدار میں مدت سے ہم ۔ اے تصور واہ روپوشی ہمیں سے اس قدر
نکہتِ گل جو سفر کرتے ہیں بے محنت سفر ۔ اے ظفر سیکھی سبکدوشی ہمیں سے اس قدر

دیگر

بن ترے اے رشکِ گل رشکِ بہار ۔ نوکِ سبزہ چشم میں ہے نوکِ خار
داغ بر دل ہوں میں سوزِ ہجر سے ۔ کیا خوش آئے مجھ کو سیرِ لالہ زار
ہوں گرفتہ دل برنگِ غنچہ میں ۔ ہے روشِ گل کی جگر میرا افگار
اب نہیں ہوں مثلِ موجِ آبِ جو ۔ ہاتھ میں میرے عنانِ اختیار
میں تو ہوں آہ برنگِ بوئے گل ۔ ایک جا ہرگز نہیں مجھ کو قرار
ہوتا اُس گل کو نہیں مطلق اثر ۔ مثلِ بلبل کرچکا نالے ہزار
دم ہے آنکھوں میں اور اُس راہ تلک ۔ مثلِ نرگس یہ ہے چشمِ انتظار
کب تلک تیرے جدائی میں کھوں ۔ ابر کی مانند رنگین اشک بار
اے ظفر اِس سے کوئی کہتا نہیں ۔ جا کے اتنا بھی کہ سن او گلعذار

ہے تیری نزاکت میں کمر بال برابر ۔ میں جانوں میاں فرق ہو گر بال برابر
اک زخم ہوا چاہیے ہے جرّاح خبر لے ۔ روزن ہیں جو بالائے بال برابر
خط سرمہ کا اُس ابروئے خمدار پہ کب ہے ۔ آیا ہے سہرو ہی میں مگر بال برابر
لاغر ہوا میں عشق میں اُس مو کمر کے ۔ آتا ہوں سراپا میں نظر بال برابر
وہ پھانس ہے اک یہ پے کندِ دلِ عشاق ۔ دیکھ اپنے تو سنبل سے ادھر بال برابر
کچھ محتسب شہر نے تاکا جو ادھر سے ۔ آیا وہی شیشہ میں ادھر بال برابر
اشکوں سے یہ مژگاں کا وہ عالم ہے کہ جیسی ۔ ہو درِ نجف کا نہ ظفر بال برابر

غزل بحرِ طویل

ترمی ہے پازیب سر کا جھومر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
ہوئے ہیں جلوہ نما چمک کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

دفور اشکوں کا ہے ہمارے نکلتے نالوں میں ہیں شرارے
نہ کیونکر ہوں عشق پہ نچھاور زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

پھپھولے پاؤں ہیں نمایاں تو سر پہ داغ جنوں فروزاں
نہ دیکھیں دیوانے تیرے کیونکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

ذرہ جبین عرقِ فشاں پر تو اپنے افشاں دکھا دے چن کر
تو نظر پھر آئیں ماہ پیکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

نہ سبزہ گل پہ جوشِ شبنم نہ چمکے جگنوں ہوا پہ ہر دم
نظر سب آتے تھے مجھ کو یکسر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

ادھر تو فوارے چھٹے ہیں رواں ادھر ہیں اشجار پر چراغاں
نئی ہے سیر اک چمن کے اندر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

طرز نہایت ہی تھی مشکل ظفر ہے اُستاد پر وہ کامل
غرض دکھائے وہی بٹھا کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

دیگر

پڑے جو عشق کے شعلے سے دل کے داغ کا نور
نہ پہنچے شمع کا نور اس کو نے چراغ کا نور

پڑے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا
فزوں ہو نور سے خورشید کے ایاغ کا نور

کمر کو اسکی شب تارِ زلف میں ڈھونڈھے
کہاں ہے عقل میں یہ طاقت چراغ کا نور

وہ ماہ باغ میں جس وقت چاندنی دیکھے
تو دیکھے پھر کوئی اس وقت صحن باغ کا نور

کرے خو خال رُخ یار سے وہ ہم چشمی
تو پھر یقین ہے کہ اُڑ جائے چشم زاغ کا نور

بغیر تیرے ہے عاشق کے حق میں نارِ سقر
چراغ محفل لغو یاراں خوش دماغ کا نور

فروغ بخش ظفر قالبوں کے چہرے پر
ہمیشہ اُن کے ہے گلہائے با فراغ کا نور

برنگ شعلہ فانوس ہو نہ پوشیدہ
تمہارا عارض روشن نقاب کے اندر

ذرا بچشم حقیقت ہو گرم نظارہ
وہی ہے ذرے میں جو آفتاب کے اندر

اگرچہ صاف ہے دل سادہ لوح پر اس میں
جو دیکھا ہم نے نہ دیکھا کباب کے اندر
کہاں ہے سینے میں پیکاں کہ وہ تو بیٹھ رہے
چھپا ہوا مرا دل اضطراب کے اندر

ہمارے آنسوؤں میں یوں ہی رازِ عشق ظفر
کہ جس طرح سے ہو خوشبو گلاب کے اندر

دکھائے لاکھ وہ شاہ وزیر کا محضر
سند رہے گا نہ کوئی فقیر کا محضر
بروزِ حشر دکھائے گا دلِ پرداغ
خدا کے آگے تمہارے اسیر کا محضر
فلک کے صفحہ پہ چوں مہر و مہ کی مہریں ہیں
مگر یہ ہے کسی روشن ضمیر کا محضر
جگر پہ اُس کے نہ تو داغ یہ سمجھ گل گیر
ہوا ہے تجھ پہ یہ شمع منیر کا محضر

ظفر نہیں ہے کسی وجہ موردِ تقصیر
یہ چاک ہوگا تمہارے مشیر کا محضر

اثر نہ چاہ کا جب تک ہو طرفِ ثانی پر
تو وہ نگاہ کرے کس کی جانفشانی پر
کروں میں گریہ اگر اپنی ناتوانی پر
فلک زمیں پہ ہو جوں حباب پانی پر
وفا کے بدلے جفا تم کرو ستم ہے یہ
صد آفرین ہے تمہاری بھی قدردانی پر
تو وصلِ گل کا غنیمت سمجھ لے اے بلبل
نہ پھول باغ میں دو دن کی زندگانی پر
ہمارے روبرو کرتا ہے تو نوا سنجی
لگے ہیں تجھ کو بھی اے مرغِ بوستانی پر
خط آئے پر نہ رہے گی یہ عارضی دولت
غرورِ حسن نہ کر عالمِ جوانی پر
نصیبِ خفتہ مرے بعدِ عمر جاگے آج
جو چشمِ یار ہے کچھ آج مہربانی پر
ہزار حیف کہ بلبل کا صحنِ گلشن میں
نہ چھوڑا ایک بھی صیاد نے نشانی پر
ہنسی کی بات نہیں کہ ہے سحر خورشید
نثار ہے تیری دستارِ زعفرانی پر
کھلی ہے چشمِ حقیقت جنہوں کی شکلِ حباب
وہ باندھتے نہیں تکیہ جہانِ فانی پر

ظفر ہم اپنے ہی قصہ میں رہینگے آلودہ تا
خیال کس کی بھلا رکھیں اب کہانی پر

آئی گلشن میں بہار اے دلِ غمناک بہار
گر نہ ہو وہ گلِ خوبی تو کیا خاک ہے بہار
چمنِ حسن پہ کیا پھول رہا ہے اپنے
نہیں رہنے کی سدا اے بتِ بیباک بہار
پھولے ہیں تازہ شگوفے چمنِ دہر میں روز
واہ دکھلاتی ہے کیا گردشِ افلاک بہار

جا بجا خونِ شہیداں سے ہے اک تازہ چمن
ہے ترے کوچہ میں اے قاتلِ سفاک بہار

کیا بہارِ گلِ صد برگِ چمن دیکھوں میں
اِس سے رکھتا ہے زیادہ دلِ صد چاک بہار

کون کہتا ہے گلوں پر ہے چمن میں شبنم
ہے ترے سامنے خجلت سے عرقناک بہار

اے ظفر جامۂ گل بھر نہ کرے ناز کبھی
رنگین ہو گر اُس شوخ کی پوشاک بہار

دن اور ہے رات اور زمیں اور زماں اور
رہتے ہیں زخود رفتہ جہاں ہے وہ جہاں اور

اک بار گئے نذر دل و جاں تیرے دونوں
اب کیا تجھے دیں ہم کو نہ دل اور نہ جاں اور

دے جام پہ گر جام پیالے مجھے ساقی
میں بس نہ کہوں منہ سے کہہ جاؤں کہ ہاں اور

جل جائیگی اے برق نہ ہو دیکھ مقابل
ہے سوختہ جانوں کا دم شعلہ فشاں اور

کچھ چشمِ تر و سوزِ جگر پر نہیں موقوف
افشائے محبت کے بہت سے ہیں نشاں اور

کِس طرح غمِ یار کو میں دل سے نکالوں
جائے یہ کہاں اسکا ٹھکانا ہے کہاں اور

کیا ہوویگا اک چاک کو سینہ کے رفو سے
دل میں تو ہزاروں ہیں ابھی زخم نہاں اور

دوں دل میں جگہ کیوں نہ میں اس پردہ نشیں کو
اس سے نہیں بہتر کوئی پردہ کا مکاں اور

محفل سے اٹھا غیر کو اور اُس کے عوض تو
رکھدے مری چھاتی پہ کوئی سنگِ گراں اور

یہ شوقِ شہادت کی ہے تاثیر کہ قاتل
ہوتی ہے مرے خوں سے تری تیغ رواں اور

تو گھر کو سدھار اپنے خدا کے لئے ناصح
ہوتا ہے تری باتوں سے مجھ کو خفقاں اور

مینہ خوب برستا ہے جو ہوتی ہے ہوا بند
بہتے ہیں ظفر اشک دمِ ضبطِ فغاں اور

دودِ جگر ہمارا ہے یہ اُٹھا فلک پر
کہتے ہیں لوگ جس کو کالی گھٹا فلک پر

یہ آہِ آتشیں جب چمکائے سیف اپنی
کیا تاب پھر بلا ہے بجلی پٹا فلک پر

شرمندہ ہوگا تیرے عارض سے ماہِ تاباں
دے رو برو سے اُسکو کوئے ہٹا فلک پر

اُس ماہ جبیں نے جسدم دکھلائے تیغِ ابرو
دل میں ہلال کیا کیا اپنے کٹا فلک پر

جوگی بنے پھرے ہے اس ماہ وش کے غم میں
خورشید سے بڑھا کر سر کی لٹا فلک پر

وہ حسن روز افزوں بڑھتا رہا ہمیشہ
سو بار نورِ مہ کا بڑھ کر گھٹا فلک پر

ہونٹھ اے ظفر ہمیشہ چاٹا کرے مسیحا
وہ شکریں لب اپنے دے گر چٹا فلک پر

ردیف رائے ہندی

دیکھ دل کو مرے او کافر بے پیر نہ توڑ
گھر ہے اللہ کا یہ اس کی تو تعمیر نہ توڑ

غل سدا وادیٔ وحشت میں رکھونگا برپا
اے جنوں دیکھ مرے پاؤں کی زنجیر نہ توڑ

دیکھ ٹک غور سے آئینۂ دل کو میرے
اس میں آتا ہے نظر عالمِ تصویر نہ توڑ

تاج زر کے لئے کیوں شمع کا سر کاٹی ہے
رشتۂ الفتِ پروانہ کو گلگیر نہ توڑ

اپنے بسمل سے یہ کہتا ہے دم نزع وہ شوخ
تھا جو کچھ عہد سو وہ عاشق دلگیر نہ توڑ

رقصِ بسمل کا تماشا مجھے دکھلا کوئی دم
دست و پا مار کے دم تو دم شمشیر نہ توڑ

سہم کر لے ظفر اس شوخ کماندار سے کہہ
کھینچکر دیکھ مرے سینے سے تو تیر نہ توڑ

دل مرا ڈالی بل عشق نہ کس رنگ مروڑ
پنجہ رستم کا بھی ہو دیوے دم جنگ مروڑ

ذبح کرتا ہے تو کر لے کر چھری صیاد تو
لیک مست گردنِ مرغان خوش آہنگ مروڑ

شکن مانند زلف کی کر کے تو لے قاصد تو خط
لکھ سکے ہے کب قلم سے پانی اژ رنگ مروڑ

رو کش اس کے گل رخسار سے یہ ہوتا ہے
اے صبا کیونکہ نگوش گل خوش رنگ مروڑ

ایک دریا بھی یہ اشکوں سے نچوڑے جب دم
دامن تر کو ترا عاشق بے سنگ مروڑ

ہاتھ پکڑوں میں تصور سے بھی تو وہ کھوئے
تو مرے ہاتھ کو اتنا بھی نہ بے ڈھنگ مروڑ

ہم نے اک طفل دبستاں کی محبت میں ظفر
چھینکا آخر ورق دانش و فرہنگ مروڑ

بٹھا کے غیر کو قائم نہ کر فساد کی جڑ
نکال اس کو کہ یہ ہے بشر فساد کی جڑ

جو خط کے لکھتے ہی برپا ہوں سو طرح کے فساد
تو ٹھہری شاخ قلم سربسر فساد کی جڑ

کوئی یہ ریشہ دوانی یہ آہ و نالہ سے
تو جانے ہی دل شوریدہ ہر فساد کی جڑ

قیام زندگی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو
کچھ اصل اس کی نہیں ہے مگر فساد کی جڑ

اکھاڑ کے طمع کی جڑ کو کہ باغ عالم میں
رکھے ہے یہ شجر بے ثمر فساد کی جڑ

وہ فتنہ راہی نگاہِ دل سے جو صلاح کی امید
تو سر پہ دہول دے یہ فتنہ گر فساد کی جڑ

نہ ہے شریر کوئی اور نہ کوئی مفسد ہے
ترا ہی نفس ہے بنیاد شر فساد کی جڑ

ظفر جہاں میں نہ ہو کوئی مفسدہ پیدا
نہ ہو زمین وزن وزر گر فساد کی جڑ

غش جو دیوے صراحی شراب ناب کی توڑ
تو رکھ دیں مست بھی گردن وہیں حباب کی توڑ

اٹھیں گے ابر جو ساقی یوں ہی تو پھر بے کیف
توڑ رہے دیں کہیں تو جو نہ ہم شراب کی توڑ

سوال بوسہ پہ دے کر جو آپ توڑے تو
نہ خاطر اے صنم اس خانہ خراب کی توڑ

چمن میں اُس تنِ نازک سے گر مقابل ہو
تو پتیاں ابھی پھینکیں گل گلاب کی توڑ

غموں کی اتنی گرانباریوں سے لے گردوں
نگر نہ مرے دل گرم اضطراب کی توڑ

نہ ڈال میکدے میں دیکھ محتسب اندھیر
ذرا خدا سے تو ڈر آفتاب کی توڑ

رکھیں ہیں فکر مرے وہ بلند پروازی
کہ دیوے آن میں ہمتِ ظفر مہتاب کی توڑ

دیگر

نہ کیوں ہوں پس و پیش یاں نشیب و فراز
کہ دم کے ساتھ ہے ہردم یہاں نشیب و فراز

فلک عروج تنزل سے اِک زمانے کو
دکھائے روش نردباں نشیب و فراز

کئے ہی جائیے ہے راہ فنا کو طے ہردم
سمجھتے کچھ نہیں عمر رواں نشیب و فراز

حضیض و اوج میں سیار ہیں ستارے بھی
دکھاتا کس کو نہیں آسماں نشیب و فراز

کہوں بگولے کو کیا خاک میں بیاباں گرد
کہ میری طرح سے دیکھے کہاں نشیب و فراز

دکھائے ہے سر عاشق کو قاتل وہ خاک
بزیرِ تیغ و بنوک سناں نشیب و فراز

کسی کو پست کرے ہے فلک کسی کو بلند
کہ اس گرد راہ کارواں نشیب و فراز

ہمیں ہے راہ محبت میں ہر زماں درپیش
برنگ گرد رہ کارواں نشیب و فراز

اُچھل کے دیکھ نہ چل اس قدر تو او سرکش
کہ تیرے ساتھ ہے فوارہ ساں نشیب و فراز

زمیں کو دیکھے نہ کیونکر عصا بکف نرگس
رکھے ہے عرصہ باغ جہاں نشیب و فراز

ظفر ہے راہ ز خود رفتگی عجب ہموار
کہیں بھی جس کے نہیں درمیاں نشیب و فراز

دیگر

اگرچہ منزل رشکِ قمر ہے دور و دراز
پہنچنا اپنا بھی پیک نظر ہے دور و دراز

خدنگ ناز سے کہدو کرو نہ کوتاہی
کہ عرصہ دل سے نہیں تا جگر ہے دور و دراز

پہنچتے ہیں کہیں مرمر کے تا سر منزل
عزیز و راہ عدم اس قدر ہے دور و دراز

نہ روک تو ہمیں جانے دے واں تلک ناصح
بلا سے اگر راہ محبت اگر ہے دور و دراز

سراغ پائے کوئی کیا کہ لے گیا دل کو
عدم سے بھی وہ خیال نگر ہے دور و دراز

کہاں ہے نالہ کی کہ دم سینے سے
لبوں تلک مرے آتا سفر ہے دور و دراز

خرام یار کے نزدیک ہے بہت نزدیک
وگرنہ فتنہ محشر ظفر ہے دور و دراز

دیگر

کہ تو خوشی سے حرف حکایات چند روز
اے یار پھر کہاں کہ یہ ہے بات چند روز

دنیا مثال فاحشہ جاتی ہے جس کے پاس
رہتی ہے اُس کے پاس یہ بدذات چند روز

تو جانے گرم و سرد زمانے کو اس لئے
گرمی کبھی اور کبھی برسات چند روز

بیٹھا ہے اعتکاف میں زاہد کی طرح کیا
تو اٹھ کے کرلے سیر خرابات چند روز

ہو جلد ہوشیار کہ جاتے ہیں ہاتھ سے
غافل نشاط و عیش کے ہیہات چند روز

کچھ لطف زندگی کا اگر ہے تو اس میں ہے
ہے یہ جو دوستوں کی ملاقات چند روز

فرصت بہت ہی کم ہے غنیمت سمجھ ظفر
ہنس بول کر بسر ہو اوقات چند روز

یونہی ذقن پہ زلف شکن در شکن دراز
چاہِ عمیق کے لئے جیسے رسن دراز

عاشق کو تیرے ہوگا نہ آرام جیتے جی
جاکر کریگا پاؤں وہ زیر کفن دراز

ناحق زبان شمع نہ گلگیر کاٹتا
کرتی وہ زبان سرِ انجمن دراز

بارے کیا وتیشۂ آخر نے مختصر
تھا قصد جو کہ عشق کا اے کوہکن دراز

ماری ہے بیزباں دہن زخم لاف عشق
پر تو زبان دراز نہیں ہے دہن دراز

تشبیہ اسکو دوں قد موزوں سے کیا ترے
اے رشک گل ہے قامت سرو چمن ہے دراز

جانے دے تو نہ چھیڑ ظفر ذکر زلفِ یار
ہو جائیگا وگرنہ زیادہ سخن دراز

رہیگا تا بہ قدم واپسیں نشیب و فراز
کہ دم کے ساتھ ہے اے ہمنشیں نشیب و فراز

سمجھتا آپ کو اونچا ہے اور کو نیچا
کھلیگا تجھ کو یہ زیر زمیں نشیب و فراز

قدم سنبھال کے رکھنا کہ راہ عشق میں ہیں
ہزاروں لے دل اندوہگیں نشیب و فراز

کبھی ہے سر تہ خنجر کبھی سناں پہ تری
دکھائے ہے یہ تری طرز کیں نشیب و فراز

جو پھر کے آئے مسافر کوئی تو ہو معلوم
عدم کے راہ میں ہے یا نہیں نشیب و فراز

ملا کے خاک میں بھی گرد باد کی مانند
ہمیں دکھائے ہے چرخ بریں نشیب و فراز

پھرے نہ دوڑتا مجنوں ہوا کی طرح ظفر
جو ہو وے دشتِ جنوں میں کہیں نشیب و فراز

ردیف سین

دل مرا لیکے آپ نے کیا واپس اجی بس
حوصلہ دیکھ لیا آپ کا بس بس اجی بس

ہم کو رخصت ہو کہ بس آپکی صحبت کے شریک
رات دن رہتے ہیں سب ہر کس و ناکس اجی بس

ہو چکا ہے سبھی مرضوں سے مریض غم ہجر
جاؤ کیا دیکھتے ہو گر مئے ملمس اجی بس

ضعف سے یہ گدا جوں روشِ نقش قدم
اُٹھ چکا آپ کے کوچہ سے وہ بیکس اجی بس

ناصح کیجئے یہ پند و نصیحت موقوف
بس میں دل اور کے ہے میرا نہیں بس اجی بس

کیوں مقابل ہوئے تھے حضرتِ دل عشق کے تم
ہو چکا آپ کا اتنے ہی میں دم بس اجی بس

ہم بھی رکھتے ہیں زباں مُنہ کو سنبھالو اپنے
گالیاں دیچکے اک بوسہ پہ دس اجی بس

پوچھو مت حضرتِ ناصح میرا آ کے احوال
سُن کے مغموم نہ ہو خاطرِ اقدس اجی بس

تار رونے کا جو باندھا تو نہ توڑا ہم نے
ہم سے ہر چند وہ کہتے کہتے رہے ہنس ہنس اجی بس

خاک اس در کی ہے اپنے تنِ عریاں کا لباس
ہمدموں چاہیئے کیا مخمل و اطلس اجی بس

پنجہ یار کے باندھو گے مضامیں کب تک
اے ظفر سُن چکے بند و مخمس اجی بس

بال ابرو نہیں چشم بت عیار کے پاس
نیلوفر ہے یہ کھلا نرگس بیمار کے پاس

چشم کے گرد نہیں حلقہ مژگاں اُس کی
آتے ہیں لوگ عبادت کو یہ بیمار کے پاس

دیکھ اے ابر بہار تو بھی نہ کر ہم چشمی
لعل و گوہر ہیں مرے دیدہ خونبار کے پاس

مبتلا گل پہ جو بھنورا ہو تو کچھ دور نہیں
دیکھو ہے داغ جگر مرے دل زار کے پاس

منکشف کیوں نہ ہوں آثار محبت تجھ پر
قبر عاشق کی ہے ظالم تیری دیوار کے پاس

حلقہ زلف پر اُس ابرو کی نہ ہو کیونکر قریب
رکھنی قاتل کو سپر چاہیئے تلوار کے پاس

سوزِ عشق میں دل کیوں نہ ہو بیتاب ظفر
جانے دیتا نہیں کوئی مجھے اس یار کے پاس

آبلہ پیدا ہوا داغ دل مضطر کے پاس
چاہیئے تھا واقعی شیشہ بھی ہاں ساغر کے پاس

زلف آشفتہ نہیں خال رخ دلبر کے پاس
شاخِ سنبل باغ میں طرفہ ہے نیلوفر کے پاس

جس کے دل متصل رکھتا ہوں میں تصویر یار
اور ہی صورت کا جلوہ ہے خدا کے گھر کے پاس

دل عبث ہم نے دیا ہے لے بت کافر تجھے
لعل کی کیا قدر ہو جب تجھ سے ہو پتھر کے پاس

ہیں تو سایہ سے ہی اس کو مانگتا ہوں المدد
ہو جو دیوانہ سو جاوے اس پری پیکر کے پاس

ابر کی کیفیتیں خالی ہمیں بھاتی نہیں
بادہ گلگوں سے ساقی نہ رکھدے بھر کے پاس

زلف کے کشتہ کے تیرے ہے جہاں مدفن وہاں
جا نہیں سکتا کبھی کالا بھی مارے ڈر کے پاس

آفریں تجھ کو ظفر ہو کیوں نہ شاگرد نظیر
اس غزل کو جا کے پڑھ ہر ایک دانشور کے پاس

ردیف شین

بھولا نہ کبھی تجھے اس یاد کو شاباش
شاباش ہمارے دلِ ناشاد کو شاباش

ہر روز ستم تازہ ہے ہر روز نیا حکم
اے شوخ ستمگر تری ایجاد کو شاباش

گویائی اگر ہووے لبِ زخم جگر کو
اتنا کہے اس خنجرِ بیداد کو شاباش

نازک ہے تو کس کام کا ناصاف ہے گر گرد
فولاد نیا آئینہ فولاد کو شاباش

المنۃ للہ کہ ہوئی اتنی تاثیر
کہتے ہیں وہ سن کر مری فریاد کو شاباش

یہ قتل کا ہے شوق کہ اُڑ جائے اگر سر
پیدا ہو صدا حلق سے جلاد کو شاباش

مرغِ چمن قدس سے کیا کام تھا مجھ کو
پر کھینچ ہی لایا مجھے صیاد کو شاباش

ہیں لاکھوں خیالات ہیں فکر سخن اتنا
تیرے ظفر اس طبع خدا داد کو شاباش

جو ہجر کی تھی کثرت آفات کی تشویش
سب مٹ گئی وہ ایک ملاقات میں شاباش

تو بھاگ دلا دیکھ محبت سے کہ اس کی
ہر کام میں اندیشہ ہے ہر بات کی تشویش

گذرے ہے کوئی لحظہ جو بے فکر تو برسوں
دیتا ہے فلک اُس کی مکافات میں تشویش

پاتے نہیں ہم تو کبھی رندوں کو مشوش
آتی نہیں ہے بزم خرابات میں تشویش

جی کیوں نہ ڈرے گرمی سے دل جو شکستہ
ٹوٹے ہوئے گھر سے تو ہی برسات میں تشویش

دل نذر کروں اپنا کہ جاں پیشکش اپنی
ہے مجھ کو ترے غم کی مدارات میں تشویش

عقبے کی ظفر چاہئے کچھ فکر بشر کو
بیہودہ ہے یہ دنیا کی مہمات میں تشویش

ردیف الصاد

بھری تھی ساغر میں رات ساقی نے ایسی خوشبو شراب خالص
نہ اُس کو پہنچے ہے مشک خالص نہ اُس کو پہنچے گلاب خالص

اس آرزو میں کہ اس کے پاؤں کے چھالے کو کوئی مجھ کو بنا دیوے

اُدھر تو ہے سیمِ ماہ خالص اُدھر زرِ آفتاب خالص

حلاوت اُس لب شیریں کی بہتر از شیریں ہے
کہ جو کوئی انگبین خالص کو گھولے لے کے آب خالص

دل شکستہ درست میرا نہ ہووے کیونکر کہ ہاتھ آوے
تمہارے بوسے خالی مشکیں کے مومیائی شراب خالص

شمیم گیسوئے عنبریں سے تیرے وہ ہمسر کبھی نہ ہوگا
ہزار عنبر ظفر منگائے کہیں سے اُسے پر حجاب خالص

دیگر

ہمیں ہے ایک اسی گلعذار سے اخلاص
اُسے ہزار سے الفت ہزار سے اخلاص

برابر اپنا ہے ہر ایک یار سے اخلاص
نہ یہ کہ چار سے نفرت اور چار سے اخلاص

جو میرا دشمنِ جاں ہے وہی ہے اُس کا دوست
کرے ہے کب وہ مرے دوستدار سے اخلاص

ملانا خاک میں ہے اور بھی سوا منظور
بڑھا تم نے جو اس خاکسار سے اخلاص

نہ بول مجھ سے تو ناصح کہ ہوں میں دیوانہ
تو ہوشیار ہے کر ہوشیار سے اخلاص

ہر ایک شخص سے اخلاص پیار ہے تیرا
مگر نہیں اسی تقصیر وار سے اخلاص

سوائے رنج و مصیبت بغیر حسرت و یاس
رکھے ہے کون دل بیقرار سے اخلاص

غرور تھا ہمیں اپنی جو پارسائی کا
کہ تھا ہمارا جب اس بادہ خوار سے اخلاص

جہاں میں جتنے ہیں بدقسمت و خراب نصیب
ظفر وہ رکھتے ہیں اس بدشعار سے اخلاص

دیگر

بوسہ کب دیتے ہیں مجھ کو وہ دل و جاں کے عوض
بلکہ ہر بات پہ کرتے ہیں نہیں ہاں کے عوض

زلف تیری نہ پریشاں ہو بلا سے کافر
دل پریشاں ہو سر زلف پریشاں کے عوض

جلد زاہد کو مبارک ہو تجھے مل جائے
جو روش کوچہ ترا روضۂ رضواں کے عوض

ایسے بخت اپنے کہاں ہیں کہ لگیں منہ سے ترے
دل حیرت زدہ آئینۂ حیراں کے عوض

دیکھ کے سینہ پر داغ کو ہیں ہم اپنے
تجھ بن لے رشکِ چمن سیر چمن کے عوض

پاؤں میں مرے ہے زنجیر سر موج سرشک
گھر یہ میرا ہے مجھے خانۂ زنداں کے عوض

میرے سینے سے نکالے نہ وہ پیکاں اپنا
دل کو لے جائے مرے شوق سے پیکاں کے عوض

خندہ بلب ہوا مرا برق جہاں کے بدلے
گریۂ چشم اگر ہو مرے باراں کے عوض

اے ظفر خاک میں عاشق کے ملانے کے لئے
گردش اُس چشم کی ہے گردش دوراں کے عوض

جو بھیجے ہے مجھے مجنوں اُجاڑ میں سے خط
تو گو کہ بن بھی ہے لکھتا اُجاڑ میں سے خط

کواڑ کھول نہیں سکتا گر وہ پردہ نشیں
تو پھینک دے ہے پٹوں کی دراڑ میں سے خط

گلی میں یار کی اغیار ہیں جمع قاصد
نہ جانا تو لیکے اس بھیڑ بھاڑ میں سے خط

جلایا کاغذ اگر سوز دل کے مضمون نے
تو نامہ بر تجھے کیا دونگا بھاڑ میں سے خط

رہا یہ مار سیہ گھاس ہی کے نیچے نہاں
نہ نکلا سرمہ کا مژگاں کی آڑ میں سے خط

ہوا تو کل جو مرا خط پلنگ پر سے گم
سو بارے آج وہ پایا نواڑ میں سے خط

جو خوشنویس ظفر کچھ بگاڑ کر لکھے
دکھائے اور ہے حسن اس بگاڑ میں سے خط

لکھ کے بھیجیں اُن کو کیا ہم خاک خط
بن پڑھے کر ڈالتے ہیں چاک خط

دور گھر ہے یار کا جائے نہ جائے
لے کے کوئی قاصد چالاک خط

مانگ اس کی یاد آئی دیکھ کر
کہکشاں کا شب سر افلاک خط

تر نہ کر اشکوں سے کاغذ سر بسر
لکھنے دے اے دیدۂ نمناک خط

تیغ براں سے تیرے پڑتا نہیں
بے قضا اے قاتل سفاک خط

تو نے کیا تھا جو رونے لگا
پڑھ کے تیرا عاشق نمناک خط

حاسدوں سے ناک میں دم اے ظفر
دے دو چاقو سے کریں وہ چاک خط

ہمدموں عشق کی نہ پوچھو شرط
جان دیجئے تو کب ادا ہو شرط

جو تمہاری نہ جاوے گی بدلے
اس میں جو چاہو ہم سے بدلو شرط

اپنی ہم کو رہائی ہے منظور!
ورنہ تم اور ہم سے جیتو شرط

دل بیمار کے علاج میں ہے
وصل دلدار اے طبیبو شرط

دل بند ہا زلف سے نہیں چھٹتا
اس کے چھٹنے پہ تم نہ باندھو شرط

یوں کسی کو ہے کون دیتا دل
دلبری ہے اس دلبر یار سے شرط

اس شرط کا دشوار ہے بجا لانا — ہے محبت کی اے ظفر جو شرط

دیگر

دل عاشق جمال ہے مفتون خال وخط — جان وحشی نگاہ ہے مجنوں خال وخط
کیا خوب نکتہ رکھتا ہے کیا خوب دائرہ — صفحے پہ روئے یار کے یہ نون خال وخط
خورشید زیر ابر ہے رخسار تابناک — پوشیدہ زیر پوشش شبگون خال وخط
سنبل قریں وسوسن وریحاں ہی باغ میں — گیسو نہ سمجھو یار کے مقرون خال وخط
زیبا ہے اس کے کشور حسن وجمال میں — آئین وناز وغمزہ وقانون خال وخط
دکھلا دیا نوشتہ ہر اک قلم مجھے — میں نیر وبخت ہوں تیرا ممنون جمال وخط

ہر شب تصور رخ جاناں میں اے ظفر
کیا کیا ہیں سوجھتے مجھے مضمون خال وخط

رہیو اے دل تو اب اُس زلف رسا سے محفوظ
حق سدا تجھ کو رکھے ایسی بلا سے محفوظ
ہیں سدا مشق ستم سے سر عشاق قلم
کوئی دیکھا نہ تری تیغ جفا سے محفوظ
باغ دنیا میں جو دیکھے ہے وہ کہتا ہے اُسے
رہے یہ پھول زمانے کی ہوا سے محفوظ
ہو گیا کبک دری آن میں پامال خرام
تیری رفتار کی ہے کون ادا سے محفوظ
میں نے اُس کاکل مشکیں کو نہیں چھیڑا ہے
مجھ کو آئینہ دکھایا ہے خطا سے محفوظ
گل اور رنگ ہے آغشتہ بخونِ حسرت سے
کوئی پایا نہ تیرے خندق پا سے محفوظ
دستِ مژگاں سے اٹھا چشم کہ دل زلف میں ہے
کاش ہر وجہ رہے تیری دعا سے محفوظ
نقد دل لے ہی لیا اس نے مرا ہاتھوں ہاتھ

نہ رہا شوخ ترے دست حنا سے محفوظ

لوگ کہتے ہیں یہی دیکھ کے مجھ کو بخدا
اے ظفر رہیو تو اس بت کے دغا سے محفوظ

دیگر

مجھے تو وقتِ سخن شوخ تند خو سے لحاظ ‏ گُسے نہ شرم کسو سے نہ ہے کسو سے لحاظ
بھر آیا دل میرا سو بار پر نہ رویا میں ‏ رہا یہ مدّنظر پاس ابرو سے لحاظ
چمن میں آگ لگائے کھڑی ہے کیوں نرگس ‏ مگر نہیں ہے کسی شوخ لالہ سے لحاظ
وہ بے حجاب ہوا ایک ساغر مے سے ‏ کہ ٹوٹے جس کا نہ سو شیشہ و سبو سے لحاظ
جہاں میں پائیگا کیونکر وہ گوہر مقصود ‏ جسے تلاش سے ہو شرم جستجو سے لحاظ
لحاظ ہے یہ فقط تیری دوستی کا ہمیں ‏ کہ تیری بزم میں کرتے ہیں ہم عدو سے لحاظ
قسم ہے خنجر قاتل تجھے مرے سر کی ‏ جو وقت ذبح کرے تو مرے گلو سے لحاظ
چمن سے آئی نہ بے پردہ تا سر بازار ‏ اور آے گل جو نہ اظہار رنگ و بو سے لحاظ
صفائی دیکھ ظفر آئینہ کے دیدے کی ‏ نہ خوبرو سے ہے اُسکو نہ زشت رو سے لحاظ

دیگر

کرے ہے فتنہ تری چشم فتنہ زا کا لحاظ ‏ یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس بلا کا لحاظ
نہ کی شکایت ظلم و ستم کبھی میں نے ‏ رہا سدا مجھے اُس شوخ پر جفا کا لحاظ
فلک پر کیوں رہے ہر ماہ سر فرو ماہ و نور ‏ جو ہو نہ اُس کو ترے نعل و کفش پا کا لحاظ
دل اُس کی جنبش مژگاں سے کیوں حذر نہ کرے ‏ کہ اس مریض کو ہاں چاہیئے ہوا کا لحاظ
اُٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن میں نرگس نے ‏ رہا جو اُس کو تری چشم پر حیا کا لحاظ
ملوں میں اُسکے کفِ پا سے اپنے دیدۂ تر ‏ مگر ہے مجھ کو ذرا سرخی حنا کا لحاظ
رکھیں ہم اُس سے دلا چشم آشنائی کیا ‏ نہ پاس یار کا نہ جس کو آشنا کا لحاظ

ظفر پلا دے اسے بھر کے ساغر مے ناب
اگر اُٹھانا ہے منظور دلربا کا لحاظ

گلی میں یار کی ہم نے رکھا قدم بلحاظ ‏ گئے بھی تو بادب آئے بھی تو ہم بہ لحاظ
ہماری شکل نے سب حال کہہ دیا اُن سے ‏ زبان سے گو نہ کہا دل کا غم بہ لحاظ

قلم وہ کرتے ہیں اس پر بھی ہاتھ سے اے قاصد
اگرچہ کرتے ہیں خط اُن کو ہم رقم بلحاظ

جب اُس سے حُسن میں یوسف نہ ہو سکا ہمسر
تو جا چھپا وہ پس پردہ عدم بلحاظ

مبادا چونک اُٹھے خواب ناز سے وہ گل
چمن میں جائیو اے باد صبحدم بلحاظ

ابھی ڈبوئیں رقیبوں کے گھر کے گھر لیکن
ہم اُنکے آگے نہیں ہوتے چشم نم بلحاظ

ظفر نہ کھینچ سکے اُس کمر کی جب تصویر
تو سر جھکا کے اٹھائے نہ مُنہ قلم بلحاظ

ردیف عین

کم نہیں ہے سوزش داغ دلگیر شمع
بلکہ ہمسر ہے ہمارا نالہ شب گیر و شمع!

کب تصور اُس کا دلمیں ہے اور آہ آتشیں
ہیں یہ فانوس خیالی میں بہم تصویر و شمع

موج اشک چشم اے پروانہ کب ہے زیر پا
موج سودا سے اُسے باہم سمجھ زنجیر و شمع

اُس رُخ پر نور سے روشن ہو کیونکر ماہتاب
ایک ہو کیونکر چراغ مہر پر تنویر و شمع

ہے اجل سر پر کھڑی یہ کھل گئی ہے آج شب
ظفر اک جا جو ہیں ہمیں لے نظر گلگیر و شمع

دیگر

کس لئے ڈھونڈھیں آہ ہم غنچہ گل چراغ و شمع
تو ہے نظر میں جب صنم غنچہ و گل چراغ و شمع

یہ دلِ تنگ و زخم تن داغ جگر اور آہ گرم
پاس ہیں اپنے دمبدم غنچہ و گل چراغ و شمع

جام گلابی اور شراب ساغر چشم مست ناز
بزم میں اپنے ہیں بہم غنچہ و گل چراغ و شمع

خاطرِ تنگ و چاک جیب سوزش سینہ جگر
ہیں یہ بہار بزم غم غنچہ و گل چراغ و شمع

قطرۂ خوں لختِ دل مردمک اور مژہ پر اشک
ہیں یہ سبھی بچشم نم غنچہ و گل چراغ و شمع

دیگر

گرچہ غرقِ اشک تر ہے گرمی کی شدت سے شمع

چلتی ہے تس پر بھی لیکن سوزشِ اُلفت میں شمع
واہ کچھ پرواہ نہ ہو جُدائی کی مرے اُس یار کو
یوں جلے پروانہ کی سوز غم فرقت میں شمع
کون ہے جس کو جلاتا اپنے سوزشِ عشق سے
لیک جلنا ہی لکھا تھا یہ مری قسمت میں شمع
قبر پر میری بلا سے گر نہیں جلتا چراغ
سوزشِ دِل سے تو روشن ہے مری تربت میں شمع
کٹ گیا سر گل گیا تن جل گیا دل کیا کرے
عشق کے باعث یہ اب تو آ گئی آفت میں شمع
ہم تو رہویں شعلہ ساں تجھ بن ہمیشہ بے قرار
یار پاوے اس طرح سے یار کی خلوت میں شمع
تجھ سے تاب حسن میں روکش نہ ہووے شعلہ گاہ
اور نہ ہمسر کبھی تجھ سے قدو قامت میں شمع
شمع کو کیا تاب اُس کے روبرو سرکش رہے
کیا ہوا ساقِ بلوریں سے تری صورت میں شمع
اے ظفر رکھتے ہیں اپنا نام روشن بزم میں
گوشہ فانوس ہے اک گوشہ عزلت میں شمع

ردیف غین

ہے پاس اپنے اس رُخ پر نور سے چراغ
اے ماہ تو دکھا نہ ہمیں دور سے چراغ
روشن ہو چشم مست کے کشتی کی گور پر
روغن کی جائے بادہ انگور سے چراغ
شعلے کو مرے سوزش دلبر جو رشک ہی
جلتا ہے بزم میں مرے ندکور سے چراغ
روشن ہو آفتاب قیامت کا اے ظفر
ہم دل جلوں کے شمع سر گور سے چراغ

ردیف فاء

گر ہے دل دنیا خطا کر تب اے پیر معاف
پھر نہیں ہونے کے اب تو یہ یہ تقصیر معاف
دل سودا زدہ کو مارے ہے کوئے زلف
ورنہ دیوانہ کو ہوتی ہے تعزیر معاف

دم بسمل نہ سنی منہ سے ترے بسم اللہ
ذبح کرنے میں ہے شاید ترے تکبیر معاف

گر حباب ستم و جور یہ ہوں حاصل داغ
کیا عجب ہوتے محاسب کو ہے تحریر معاف

دل دیوانہ تری زلف کو چھوڑے کیونکر
ہے سدا سے اُسے یہ خانہ زنجیر معاف

اے ظفر حشر کو ہو جائینگے سب تیرے گناہ
بسبب دوستی حیدر و شبیر معاف

تھا نہ جب تک وہ صنم ہوش و ربا سے واقف
حق ہے واللہ نہ تھا بندہ خدا سے واقف

دے دیا ہم نے دل اپنا تجھے افسوس کہ ہم
اے دغاباز نہ تھے تیری دغا سے واقف

جانتے وہ سب سے ہیں نیک چلن کی دنیا
پر نہیں ایک رہ رسم وفا سے واقف

نہیں معلوم کہ ہے لعل جواہر کیا چیز
ہم ہیں اس یار کی خاک کف پا سے واقف

جو مجھے کہتے ہیں دل اسکو دیا کیوں تو نے
نہیں اس شوخ کی وہ ناز و ادا سے واقف

کردیا زلف نے کافر تری ہم کو آگاہ
ورنہ ہم آگے نہ تھے دام بلا سے واقف

میں ہوں بیمار محبت نہ کرو میرا علاج
اے طبیبو نہیں تم میری دوا سے واقف

وائے کس شوخ ستمگر سے لگا دل اپنا
کہ نہ ہے شر سے وہ آگہ نہ وفا سے واقف

ہنستے کیوں گل کے روش باغ جہاں میں غافل
اے ظفر ہوتے اگر یہاں کی ہوا سے واقف

مجھے جو تیری جدائی کا دے ہے غم تکلیف
خدا کسی کو نہ دے ایسی اے صنم تکلیف

لکھینگے ہم نہ تکلیف سے اور کچھ قاصد
کرینگے خط میں رقم اپنی یک قلم تکلیف

مریض عشق کو آرام ایک دم میں ہو
کرے ذرا جو یہاں وہ مسیح دم تکلیف

یہ جاں کنی ہے بڑا کام مشکل اے فرہاد
کہ اُس سے کوہ کنی میں ہے کم تکلیف

مسافران عدم کی خبر خدا جانے
کہ انکو چین ہے یا جانب عدم تکلیف

مزا ہے مجھ کو جو سیت میں عشق کی ناصح
اُٹھائے جان پہ جو اسقدر رہیں ہم تکلیف

اس سے رکھے ہیں تیرے نام نشاں
راہ وہ ہے کہ ہے جس میں ہر قدم تکلیف

جو دیکھے بتکدہ دل میں صورت اُس بت کی
کریں نہ شیخ جی صاحب سوئے حرم تکلیف

دیا ہے ایسے ستمگر کو دل ظفر ہم نے
کہ جس سے جان کو پہنچی ہے دمبدم تکلیف

ردیف ق

ہر نفس حسرت و ہر دم قلق
ہر گھڑی اڑتے ہیں یہ دل کے فرق

کہے ہے یہ استادِ محبت مجھے
رنج و الم غم سے سبق بر سبق

اسی بیتابیٔ دل سے مرے
گئے سب ارض و سما کے طبق

چارہ صد کہ جانہ محزون
تن بے جان میں باقی ہے رمق

آج اس مست پہ ہے طرفہ بہار
زلف آشفتہ جبیں زیرِ عرق

لب پہ رنگِ مسیٔ و سرخیٔ پان
ہے بہم جلوہٴ شام و شفق

روحِ حاسد ہے جو منظورِ نظر
پڑھو قُل اعوذ برب الفلق

نہیں درد مجھے اور کچھ سوائے فراق
طبیب تجھ سے اگر ہو تو کر دوائے فراق

بہائے چشم سے دریا بھی وہ تو بجھ نہ سکے
جگر میں آگ کسی کے اگر لگائے فراق

تیرے فراق زدوں کی فراق سے تا حشر
عجب نہیں کہ یہ نکلے صدا کہ ہائے فراق

وصال بھی جو میسر ہوا تو خوش نہ ہوا
غمِ فراق کے ڈر سے یہ مبتلائے فراق

کیا خدائے جہاں آفریں نے پیدا
فراق میرے لئے اور مجھے برائے فراق

ڈرا نہ روزِ قیامت سے تو مجھے واعظ
کہ میں نے دیکھے ہیں کتنے ہی روزہائے فراق

مزے سے کیا کوئی آگاہ ہو محبت کے
نہ جب تلک کہ ہو دل لذت آشنائے فراق

فراق و فرق میں اک حرف کا ہے فرق ظفر
جہاں ہے فرق دلوں میں وہیں ہے جائے فراق

ہے عاشق دلسوز سراپا شجرِ عشق
پھل جاتا ہے پھولوں سے ہی اس کا ثمرِ عشق

ہوتے نہ اگر قاصد اشک اپنے روانہ
یاروں کو پہنچتی نہ ہمارے خبرِ عشق!

نکلے ہے جو یوں داغ بدل خاک سے لالہ
ہے زیرِ زمیں کیا کوئی فتنہ گرِ عشق

نظر آنے لگے آتشِ دوزخ تو عجب کیا
دکھلائے شرارت اگر اپنی شورِ عشق!

کیا فائدہ اشکوں کو اگر چشم میں روکا
ہے زردیٔ رخسار سے ظاہر اثرِ عشق

بجلی گرے اے چرخ اگر اس پہ بلائے
لیکن نہ پڑے دایہ کسو کو نظرِ عشق

ہو گرچہ دماغ اس کا فلک پر تو بجا ہے
جو آپ کو سمجھے ہے ظفر خاکِ درِ عشق

ردیف کاف

انسان کی زندگی تو یک نفس وہ تلک
ساماں کرے ہے جینے کا لاکھوں برس تلک

دامن چھوڑانا اپنا ہو دشوار برق کو
گر آئے آشیاں کے مرے خار و خس تلک

دل دیں ہم اپنا اس کو جو بوسوں کے دینے میں
دو چار سے نہ موڑے وہ منہ آٹھ دس تلک

ساقی نگاہ مست سے تیری عجب نہیں
مدہوش محتسب ہے اگر ہو عسس تلک

دعویٰ کرے نہ عشق کا پہنچے اگر خبر
اُس عاشق ستم زدہ کے بلہوس تلک

احسان کرے اسیرِ نفس پر نسیم صبح
اک برگِ گل جو لائے چمن سے قفس تلک

سُن سُن کے میرا نالہ و فریاد اے ظفر
خاموش ہیں زمانے بنے حرص تلک

کیا تجھ سے حسن میں ہو کوئی اے صنم شریک
پیدا ہوا نہ تیرا خدا کی قسم شریک

اپنا ہوا نہ عشق میں کوئی شریکِ حال
صد آفریں انہیں کہ رہے رنج و غم شریک

انداز و ناز و غمزہ و آں وادا تیرے
کرتے ہیں قتل مجھ کو یہ ہو کر بہم شریک

کرتا ستم جو روز فلک ہے نئے نئے
کیا جانے کون اِس کا ہوا ہے ستم شریک

عاشق ہوئے جو حضرتِ دل ہر کسی پہ تم
اس بات میں نہ تیرے کبھی ہونگے ہم شریک

اس ذات لاشریک کے قربان اے ظفر
جس کا کہ منعدم ہے اِسی کی قسم شریک

ردیف گاف

لگے تو ہم اس قدر تھا نہ کبھو الگ الگ
اب ہوئی ایسی کیا خطا رہتا ہے تو الگ الگ

آج سے کیا کہ ساقیا بزم میں ہیں دھرے ہوئے
شیشہ و خم جدا جدا جام و سبوح الگ الگ

ڈر ہے کہ بوسہ لے نہ لے منہ کو بڑھا کے منہ سے
مجھ سے رہے ہے وہ مرا آئینہ رو الگ الگ

چشم سے ہر مژہ پہ یوں جلوہ نما ہیں اشکِ خون
جیسے چراغ رکھدیئے ہوں لب جو الگ الگ

نے میں ہے یہ طلسم کیا نکلے ہے سب سے اک صدا
روزنِ سینہ گرچہ ہیں تا بہ گلو الگ الگ

دستِ جنوں ابھی مرا پہنچا نہیں ہے جیب تک
ہوگئے خود بخود جدا تارِ رفو الگ الگ

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ جدا جدا اُسکی ہے بو الگ الگ

دیگر

رہتا ہے جب سے دلربا ہائے ستم الگ الگ
ہم سے ہے دل الگ لگی اُس سے ہیں ہم الگ الگ

رکھتے ہیں عمر وہ ترے اپنے بقدر حوصلہ
رنج و تعب جدا جدا درد و الم الگ الگ

شرح فراق کا اثر دیکھ کے خط میں نامہ بر
کرتا قلم ہے یک قلم حروف رقم الگ الگ

ہم سے لگاؤ آپ نے رکھا جو ظاہرا تو کیا
کرتے ہو روز غیر سے قول قسم الگ الگ

ہائے غضب کہ جتنا میں اس سے زیادہ لگ چلوں
اتنا ہی مجھ سے وہ رہے میرا صنم الگ الگ

جو کہ حرم ہے وہی دیر میں بھی ہے جلوہ گر
کیا ہوا گر ہیں ظاہرا دیر و حرم الگ الگ

یوں تو ستم شعار ہیں جو ہیں جہاں میں خوبرو
پر ہیں ظفر ہر ایک کے طرز ستم الگ الگ

ردیف لام

یہ ممکن کیا جو رخ سے ہو بہم گل
تو آئے گل بھی نظر و میں صنم گل

ہیرے دامن پہ اشک خون کے تو نے
کھلائے خوب ہیں لے چشم نم گل

نسیم باد سے گلشن میں گل کا
بجھے ہے کب چراغ صبح دم گل

مژہ سے اشک گرتے یوں ہیں سو جا
عجب چھانٹے ہے نرگس یک قلم گل

چمن میں گل نمط چہرہ ہے تیرا
تصدق ہوتے ہیں ہر ہر قدم گل

جو روئے اشک خون سے بیٹھ کر ہم
ہو یک دست یہ فرش گلم گل

ظفر گلزار کیا لکھی غزل ہے
عجب گلشن ہے تو سب ہیں ستم گل

الٰہی کون مرا لے گیا بغل سے دل
مری بغل میں جو بیکل نہیں ہے کل سے دل

نہ ساتھ اپنے ہو جب تک وہ چاند کا ٹکڑا
نہ چاندنی میں ہو خوش چاندنی محل سے دل

ہزاروں خون شدہ ہیں و سینہ چاک حسرت
تمہارے بحر محبت میں ہیں کنول سے دل

تیری خدنگ نگاہ جو ہو چکا ہے ہدف
وہ سہنے کا نہیں ہے ناوک اجل سے دل

وہ نقشہ جان ہے سرگرم بے قراری ہے
برنگ شعلہ آتش مرا ازل سے دل

ہزار بغض کے عمل ہم نے کئے لیکن
پھرا نہ غیر سے اس کا کسی عمل سے دل

نہ قیس ہے کہ بیابان میں جی لگے میرا
نہ کوہکن ہے کہ بہلے مرا اجل سے دل

جلے ہے شمع کی مانند سوز ہجراں میں
شب وصال کہ وہ یاد کر کے جلے دل

ملیں ہزار وہ عجز و نیاز سے لیکن
ظفر ملے نہ مرا دم و غل سے دل

ردیف میم

یہ جو کھاتے ہو تم خدا کی قسم
ہے دروغ اے بتو خدا کی قسم

پھرتے ہیں مہر و مہ جو سرگرداں
ہے تیری جستجو خدا کی قسم

کھول دیتے ہیں میرے نالہ و آہ
رازِ پوشیدہ کو خدا کی قسم

پہنچے منزل پہ ہم سفر اور ہم
گئے غفلت میں سو خدا کی قسم

جاؤ غمّاز کی نہ باتوں پر
ہے وہ بیہودہ گو خدا کی قسم

یہ جو تم دیکھتے ہو غفلت میں
خواب ہے غافلو خدا کی قسم

مہر کیا ذرہ کیا کہ ہے اُن میں
جلوۂ یار تو خدا کی قسم

شمع میں وہی ہے تجلّیِ نور
گل میں وہ ہے بُو خدا کی قسم

ظفر اس سے نہ کر زیادہ کلام
کہ وہ ہے تُند خو خدا کی قسم

نکلیں گریہ سے اگر تیرے خزینوں کے کام
کریں اک روز میں دوبارہ مہینوں کے کام

کام کرنا شرفا کے جو فلک ہوتا شریک
یہ کمینہ ہے جو کرتا ہے کمینوں کے کام

طمع و حرص و ہوا نے کیا انساں کو خراب
کہ کمینہ ہے جو کرتا ہے کمینوں کے کام

دولتِ عشق سے ہے سینۂ جواہر خانہ
دل کے ٹکڑے مرے کرتے ہیں نگینوں کے کام

کرتا ہے حسن کے پندار سے اب تو جو ستم
کیا یہی ہوتے ہیں اے شوخ حسینوں کے کام

روش نقشِ قدم خاک میں ملتے ہیں سدا
تیرے کوچہ میں ہیں یہ خاک نشینوں کے قدم

اے ظفر ایک بھی کام اس کا قرینے سے نہیں
بے قرینہ کرے گر لاکھ قرینوں کے کام

نے خرد نے ہوش نے تدبیر پر شاکر ہیں ہم
دوستو اپنی فقط تقدیر پر شاکر ہیں ہم

ہاتھ سے قاتل کے کچھ شکوہ نہیں کرتے کبھی
رکھ کے آپ اپنا گلا شمشیر پر شاکر ہیں ہم

تو برا کہتا یا بھلا ہم سے نہ ہو تیرا گلہ
اے ستمگر تیری ہر تقریر پر شاکر ہیں ہم

کرتے کیا کیا شکر کچھ ہوتا نالوں میں اثر
جبکہ اپنی آہ بے تاثیر پر شاکر ہیں ہم

لکھا پیشانی کا پیش آتا ہے ہم شاکی نہیں
کاتبِ تقدیر کی تحریر پر شاکر ہیں ہم

ہم تو ہیں صیدِ محبت تیر لے ناوک فگن
ذکر یاں شکوہ کا کیا ہر تیر پر شاکر ہیں ہم

ہے ظفر ہم سا جفاکش کون زیرِ آسمان
ہر جفائے آسمان پھر پہ شاکر ہیں ہم

اب کہاں وہ دن کہ تھے دن رات میرے پاس تم
سنتے ہی آ گر نہیں اک بات میرے پاس تم

کیا ستم بھیجتے ہیں جو میرے دشمن تمہیں
بھیج دیتے ہو وہی سوغات میرے پاس تم

دیتا ہوں اجرت میں دل انعام میں جاں قاصد
لائے ہو خط اس کا کیا خیرات میرے پاس تم

دیکھنی ہے تم کو مے نوشی کی کیفیت اگر
تو گذارو اک برس برسات میرے پاس تم

قاتل اِس غیر محبت کا ہوں کیا میں مہرباں
دِن کو پاس اوروں کے بیٹھو رات میرے پاس تم

آ کے بیٹھے بھی تو کیا بیٹھے لگاتے ہی رہے
ہر گھڑی اُٹھ بیٹھنے کی گھات میرے پاس تم

کہدو ناصح سے ظفر حضرت سدھارو اپنے گھر
کر چکے ضائع بہت اوقات میرے پاس تم

پیتے ہیں خونِ دل کو بجائے شراب ہم
کھاتے گزک کی جا ہیں جگر کے کباب ہم

ہم سے زمانہ آج اگر پھر گیا تو کیا
لاکھوں ہی اس کے دیکھ چکے انقلاب ہم

کرتے گذار عشق سے ہیں یوں جو دل کو آپ
پہنچاتے ہیں مدد تمہیں چشم تر آب ہم

لا ساقیا شراب نہیں ابر گو نہ ہو
سمجھیں گے دودِ دل کو فلک پر سحاب ہم

آنکھیں جو اُس کی عکس فگن آئینہ میں ہیں
دو کشتیاں ہیں دیکھے بالائے آب ہم

ہم سے اگر جواب کریں گے رقیب کچھ
کر دینگے اک سخن میں انہیں لاجواب ہم

اس شوخ شہسوار کی خاطر بنائیں گے
اِن حلقہ ہائے چشم کو اپنے رکاب ہم

موقوف گل و شراب و غم و شک پر ہے یہ
کھاتے ہیں یہ طعام تو پیتے ہیں آب ہم

کرتے اگر نہ دوستی اک بادہ خوار سے
ہوتے ظفر جہاں میں پھر کیوں خراب ہم

ردیف نون

لگے ہیں دل پہ بہت زلفِ یار کے قسمیں
کہا ہے ٹھیک اُسے مار مار کے قسمیں

شکار بند میں تیرے سوار توسن باد
کہاں نصیب کہ ہوں اس شکار کے قسمیں

خدا بچائے اسے جس کے قتل پر کھولیں
بناں عربدہ جو کٹار کے قسمیں

فلک نے رعد کے طبلے پہ آج ہے ساقی
چڑھائے راگ ہیں ابر بہار کے قسمیں

ابھی جو ہاتھ لگاتا ہے ایک وہ قاتل
تو پھر لگے نہیں رہتے ہزار کے قسمیں
زہے نصیب کہ کام آئے اُن حسینوں کے
وقتِ فصد تیرے جسمِ زار کے قسمیں
فقیر جائے کمر بند باندھتے ہیں سدا
کمر ہیں ہمت پر استوار کے قسمیں

ستم ہے ہاتھ و کھینچے ظفر یہ کیا امکاں
نہ کھینچیں جب تلک اس بیقرار کے قسمیں

جو سر سے تا قدم اس مرے مہ جبین کو تکیں
کبھی فلک کو تکیں اور کبھی زمیں کو تکیں
غرورِ حسن بھی یہاں تک نہیں کہ کیا امکاں
اُٹھا کے آنکھ بھی جو وہ کبھی جبیں کو تکیں
تیرے ہیں ناز و ادا بھی عجب طرح کے دزد
تکیں نہ مال و دولت دلِ حزیں کو تکیں
جو تیرے تاکنے والے ہیں تجھ کو تاکتے ہیں
وہ پری کو تکیں نہ حورِ عین کو تکیں!
نصیب ہو نہ اُن آنکھوں کو نورِ بینائی
ترے سوا جو کسی اور مہ جبیں کو تکیں
تکیں نہ راہِ اہل کے وہ جو خوں گرفتہ کہیں
جو تیرے ناوکِ بیداد تیغ کیں کو تکیں

پھر آفتاب کو دیکھے نہ آفتاب پرست
ظفر جو یار کے رخسارِ آتشیں کو تکیں

یار کے سب قریب رہتے ہیں
دور ہم بے نصیب رہتے ہیں
نہیں ہوتا کسی سے میرا علاج
یہاں اتنے طبیب رہتے ہیں
فوجِ حسرت میں میرے نالہ و آہ
بس یہی دو نقیب رہتے ہیں
دشتِ غربت میں رہتے ہیں جو لوگ
وہی ہیں جو غریب رہتے ہیں
ہم کسی گُل کے عشق میں نالاں
روشِ عندلیب رہتے ہیں
میرے اُن کے معاملے باہم
کیا کہوں کچھ عجیب رہتے ہیں

ہوں وہ تنہا تو کچھ کہوں میں ظفر
ساتھ اُن کے رقیب رہتے ہیں

دیگر

واقعی بات نہ مشکل سے سمائی دل میں
لب پہ آئی وہیں جس وقت کہ آئی دلمیں
ساتھ ہر نالۂ دل کے ہے نکلتا شعلہ
کیا بلا عشق نے ہے آگ لگائی دل میں
دل گر آئی تیرے منہ سے بُرا کہہ مجھ کو
پر نہ رکھ میری طرف سے تو برائی دلمیں

نالہ و آہ میرے ہو گئے دونوں غماز — تیری الفت نہ گئی مجھ سے چھپائی دل میں
ہم ہوئے دام محبت میں تڑپ کر آخر — رہ گئی اپنی تمنائے رہائی دل میں
کانپ اُٹھے دیکھ کے خورشیدِ قیامت بھی جسے — وہ قیامت ہے ترا داغ جدائی دل میں
کعبہ و دیر میں ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں جسے — کر رہا ہے وہ ظفر جلوہ نمائی دل میں

دیگر

ہمدم جانی بجز دوسرا کوئی نہیں
اور دلِ سوز آہ سوزاں کے سوا کوئی نہیں
نالہ و آہ رسا اپنے ہیں پھر کس کام کے
جب کہ پہنچتا بگوشِ دلبرُبا کوئی نہیں
اور بھی تو حسین ہیں لاکھوں ہی زیر فلک
پر مری نظروں میں تجھ سا مہ لقا کوئی نہیں
اے نگاہِ یار تو وہ آفت جان ہے غضب
پھیر سکتا تجھ کو اے یہ تیر قضا کوئی نہیں
رہنے والوں کے عدم کا حال کس سے پوچھئے
اس طرف کو آج تک وا لئے پھرا کوئی نہیں
آشنا ہیں جتنے ہیں اپنے غرض کے آشنا
خوب دیکھا ہم نے اپنا آشنا کوئی نہیں
ہم کسی کو کیوں کہیں منہ سے اپنے ظفر
ہم ہی ہیں سب سے بُرے ہم سے بُرا کوئی نہیں

ردیف واؤ

ہمارے دیکھ لے دریائے دل کا یار چڑھاؤ — گھٹا ہی کیا ہے سمندر کا ایک بار چڑھاؤ
ہمیں تو ایک ہی کافی ہے برش ابرو کا — تم اپنی تیغ کو اب چرخ پر ہزار چڑھاؤ
خیال زلفِ بتاں آؤ چھوڑ دو بخدا — بلا کو سر پہ نہ تم اپنے زینہار چڑھاؤ
گلی میں رہنے دو اپنے اُڑا کے تم یک مشت — فلک تلک نہ میری خاک کا غبار چڑھاؤ
جلن سے آتشِ الفت کی دیکھو ہر دم — بہانہ کر کے نہ تم آپ کو بخار چڑھاؤ

بجاؤ مطرب واس وقت تار بارش کی بجاتا رعد ہے مردنگ تم ستار چڑھاؤ

پتنگ وار ظفر روز ان کے الفت پر
وہ آڑ کے آوے جو تم جنگ ایک بار چڑھاؤ

ہم سے شرماؤ نہ تم چشم حیا کو کھولو مثل گل شوق سے اب بند قبا کو کھولو
پاؤں میں مہندی لگا بیٹھے ہو تم واں بیہات خون دل بہتا ہے یاں جلد حنا کو کھولو
مار رکھے گی سراسر ہے یہ کافر دل کو جان من رخ پہ نہ تم زلف دوتا کو کھولو
مجھ کو رسوا نہ کرو رو رو کے تم اے آنکھو راز ہم چشموں میں مت مانو خدا کو کھولو
غنچہ ساں ہم سے گرہ دل میں نہ رکھو تم گلے لگ جاؤ بس آغوش وفا کو کھولو
شدت گرمی سے دل اپنا بہت رکتا ہے یا الٰہی کہیں جلدی سے ہوا کو کھولو

بخدا یار ظفر سے وہ بہت رکتا ہے
کوئی باتوں میں بت ہوش ربا کو کھولو

گر قتل کا ہے عزم تو شمشیر دکھا دو یا آ کے تم اپنی مجھے تصویر دکھا دو
تا حشر نہ ہو خواہش نظارہ سنبل تم ہم کو اگر زلف گرہ گیر دکھا دو
پتھرا گئیں آنکھیں اسی حسرت میں عزیزو ٹک مجھ کو دریا کی زنجیر دکھا دو
میری کشش دل لائے ہے یہاں کھینچ ہے مجھ سا کوئی صاحب تاثیر دکھا دو
اپنی ہی ہے یہ آہ کہ پہنچے ہے فلک تک ورنہ کوئی ایسا تو ہمیں تیر دکھا دو
تم تیغ بکف پھرتے ہو کیوں کس لیے کیا ہے ہے آج قضا کس کی گلو گیر دکھا دو

تبدیل قوافی ہے ظفر دیکھیں تو اس دم
اک اور غزل گر ہمیں تحریر دکھا دو

دیگر

ہوتا نگیں کی طرح سے ہے نامور وہی کر لیتا دل پہ نقش ہے جو نیک بات کو

دیوان ظفر کا دیکھ کے کاتب ہیں کہہ رہے
لکھیں کہاں تلک ترے ہم کلیات کو

نصیب وصل تمہارا کہو تو کیوں کر ہو فراق یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو
تو اپنے وعدہ کا سچا جو ہو تو کیوں کر ہو یہ تجھ سے جھوٹ کی ہو ترک خو تو کیونکر ہو

نہ جل کے خاک ہو جب تک کہ مثل پروانہ
ہو طپش دل کا ہمارے فرد تو کیوں کر ہو

تیرے مریض کے گر سو علاج ہوں لیکن
شفا نہ اس کے نصیبوں میں ہو تو کیونکر ہو

کسی پہ رازِ نہاں دل کا تیرے اے آنکھو
جو تم نہ گریہ سے افشا کرو تو کیوں کر ہو

یہ ہم چاہتے ہیں ترک عشق ہو لیکن
جو دل پہ بس نہ ہو اے ناصحو تو کیوں کر ہو

ملیں نہ خاک میں جب تک تمہارے کشتۂ ناز
دمیدہ خاک سے ہو ناز بو تو کیوں کر ہو

جگر پہ زخم تو کھائے مگر مزہ حاصل
نمک فشاں ہو نہ وہ جنگجو تو کیوں کر ہو

کرم کہاں کہ ستم بھی ہو کرتے ناز سے تم
جو یہ بھی ہو تو غنیمت ہے وہ تو کیوں کر ہو

جھکا یا سر نہیں اداز راستی شیوہ
چمن میں سرو جو سر فرو ہو تو کیوں کر ہو

ظفر جو ہو نہ محبت میں دل سے دل کو راہ
وہ میرے حال سے آگاہ ہو تو کیوں کر ہو

قتل عالم کو کرو تم اور قضا ر کا نام لو
لے بتو تہمت نہ لو دیکھو خدا کا نام لو

غم مجھے کھانے کو دو اور خونِ دل پینے کو دو
لے طبیبو نے غذا کا نے دوا کا نام لو

یہ خطا شانی سے ہو برہم کرے وہ زلف کو
اور خطا واروں میں تم اِس بے خطا کا نام لو

جو تمہارے جی میں ہے اے ناصحو فرماؤ تم
پر نہ میرے سامنے ترکِ وفا کا نام لو

خونِ عاشق سے کرو رنگین جو ہاتھ آگر خو
پھر کبھی ہرگز نہ تم رنگِ حنا کا نام لو

حضرتِ دل اب کے گر جیتو چھٹو اس زلف سے
پھر نہ جیتے جی تم اِس کالی بلا کا نام لو

اے ظفر چشم و نگہ یا غمزہ و ناز و ادا
کون دل کو لے گیا۔ اس دلربا کا نام لو

ہوئے تم پر جو عاشق ہم بھلا مانو برا مانو
اُٹھائے لاکھ رنج و غم بھلا مانو برا مانو

بھلے ہیں یا برے ہیں کچھ ہیں لیکن ہم تمہارے ہیں
کہے جائینگے یہ ہر دم بھلا مانو برا مانو

نہ یاں تک آپ آتے ہیں نہ واں ہم کو بلاتے ہیں
کہینگے بے مروت ہم بھلا مانو برا مانو

یہ دیوانہ ہے اپنا کوئی رہتا ہے بن چھیڑے
تمہارے طرۂ پرخم بھلا مانو برا مانو

تمہارے ہم گلو و چشم کو برعکس کہتے ہیں
صراحی اور جامِ جم بھلا مانو برا مانو

عرق آلودہ عارض کو تمہارے دیکھ کر عاشق
بتاتے ہیں گل شبنم بھلا مانو برا مانو

چھوڑا پر نہ چھوڑا تم نے ملنا غیر کا پیارے
ہمیں تو کھا گیا یہ غم بھلا مانو برا مانو

تمہاری دوستی میں مر گئے لاکھوں نہ رحم آیا
تمہیں ہو دشمن عالم بھلا مانو بُرا مانو

بروں کو منہ لگاتے ہو بھلوں سے تم کو نفرت ہے
ظفر کو ہے یہی بس غم بھلا مانو بُرا مانو

یونہی گر ان بتوں پر ہم فدا ہونگے تو ہونے دو
تو ہم پر سمد ہوں جور و جفا ہونگے تو ہونے دو

بتوں پر زاہدو گر ہم فدا ہونگے تو ہونے دو
کسی کو کیا گرفتارِ بلا ہونگے تو ہونے دو

اگر ہم مائل زلفِ دوتا ہونگے تو ہونے دو
کسی کو کیا گرفتارِ بلا ہونگے تو ہونے دو

ملیں گے بلہوس آساڑ میدانِ محبت سے
اگر ہم کشتۂ تیغ جفا ہونگے تو ہونے دو

ذرا آئیں سہی وہ مقتل عشاق تک اپنے
جو لاکھوں فتنۂ محشر بپا ہونگے تو ہونے دو

اُٹھیں گے ہم نشینوں ہم نہ ہرگز کوئے جاناں سے
جو پامال عدو جوں نقش و پا ہونگے تو ہونے دو

رہیں گے غرق ہی دائم ہم اُن کی بحر الفت میں
اگر اس پر بھی وہ نا آشنا ہونگے تو ہونے دو

چلے ہیں کوچۂ گیسو میں شامت حضرتِ دل کے
بلا سے واں گرفتارِ بلا ہونگے تو ہونے دو

ظفر تم آج شب کو گھر میں اس مہوش کے جا بیٹھو
بلا سے اُس کے چرچے جا بجا ہونگے تو ہونے دو

تیری زلفوں کا ہوا جب سے کہ سودا ہم کو
اک اندھیرا سا جہاں میں نظر آیا ہم کو

دے چکے آپ تسلی و دلاسا ہم کو
مرحمت کیجئے اب دل بھی ہمارا ہم کو

ہم پہ اس طرح جو رکھتے ہو روا جور و ستم
کیا نہیں جانتے تم بندہ خدا ہم کو

اپنی برگشتگیٔ بخت کا یہ سبب ہو بُرا
دیں بھلائی یہ بھی الزام یہ اُلٹا ہم کو

شغل آئینہ جو ہم آٹھ پہر رکھتے ہیں
اپنی صورت میں وہی ہے نظر آتا ہے ہم کو

عمر کی ہم نے بسر بے ہنری میں یوں ہی
وائے قسمت نہ ہنر کوئی بھی آیا ہم کو

کچھ نہیں دل میں کدورت ہے جو لے خط
ایک خط اُس بت نو خط نے لکھایا ہم کو

قصد ہے کشتن عشاق کا لیکن پہلے
دیکھئے اور کو وہ قتل کرے یا ہم کو

نہ رہی وقت نہ روی کی جو طاقتِ جنوں
کنج زنداں میں ہی پھر تو نے بٹھایا ہم کو

محشر سے نہ بیدار ہوں اے مستی عشق
اس قدر تو نے تھپک کر ہے سلایا ہم کو

جب سے کی سیر بہار چمن حسن ظفر
کوئی دنیا کا تماشا نہیں بھایا ہم کو

دیکھ بوسہ نہ بت ہوش ربا سے مانگو
اپنی اے حضرت دل خیر خدا سے مانگو

ان دنوں گلشن عالم کی مخالف ہے ہوا
الاماں ہم نفسو ایسی ہوا سے مانگو

کشتہ کا مان محبت کسے یہ کہدو جو ہیں
چاہیئے آب تو اس تیغ جفا سے مانگو

تم سے دمباز کو کوئی دیتا ہے اپنا دل
لاکھ دے کے مجھے دام اور دلا سے مانگو

کوئی دم اور بھی دیدار صنم دیکھنے دے
مہلت اے حضرت اتنی قضا سے مانگو

اُس کے در سے محروم نہیں کوئی بھی جاتا
جو تمہیں مانگنا ہو اپنے خدا سے مانگو

دولت شاہی جو باطن میں بھی چاہے ہے تو
تو ارادت سے ظفر تم فقرا سے مانگو

ردیف ہائے ہوز

پیدا تیرے اشکوں کے ہے قطرات میں سب کچھ
حاصل ہے اک دانے سے برسات میں سب کچھ

دیجئے دل و دیں کیوں نہ تجھے اے بت کافر
جلوہ ہے خدائی کا ترے گھات میں سب کچھ

زلف اُس کی دکھادے مجھے اے خضر تصوّر
کہتے ہیں کہ ہے پردۂ ظلمات میں سب کچھ

حاصل نہیں کچھ مزرع دنیا سے کسی کو
ہے کشورِ دل کے مرے دیہات میں سب کچھ

نقد دل و دیں کیوں نہ کروں پیشکش اب میں
لازم ہے کہ ہو اُس کی مدارات میں سب کچھ

انداز و ادا سے نہیں کچھ اور کے مطلب
ہوتا ہے ادا تیرے ارشادات میں سب کچھ

بوسہ جو طلب اُس سے کیا میں نے تو بولا
موجود ہے بس اپنی ملاقات میں سب کچھ

سائل سے کبھی آج تلک منہ نہیں موڑا
حاصل ہے ہر اک کو مری خیرات میں سب کچھ

بیتابی و زاری کی شکایت عبادت روزا

ہوتا ہے ظفر عشق کے حالات میں سب کچھ

دیگر

نہ دکھلا مجھ کو مالی کھینچکر اوراق میں غنچہ
نہیں خوب اس دہن دیدۂ مشتاق میں غنچہ
ہنسا جو دیکھ کر وہ غنچہ لب مجھ کو محبت سے
تو گویا ہوگیا شگفتہ گلشن اشفاق میں غنچہ
نزاکت سرو گردن وہ بھی وقت رقص گر باندھے
بجائے رنگہ تو اپنے سیمیں ساق میں غنچہ
گرفتہ دل مرا اُس چشم و ابرو میں ہے کیا باعث
گلابی کی جگہ ہے میکدے کے طاق میں غنچہ
کہوں کیا تیرا رنگ اے فندق پائے گل خوبی
نہیں خوش رنگ ایسا گلشن آفاق میں غنچہ
تیرا پیکان تیرا اے ناوک افگن غرق ہے خون میں
یہ لایا رنگ کیا باغ دل عشاق میں غنچہ
نہیں کھلتا ظفر عقدہ ہمیں اُس کی خموشی کا
خدا جانے کہ اتنا کیوں ہے استغراق میں غنچہ

دیگر

کہاں نگاہ پہ ہو سُرمے کا زنگ پیوستہ
یہ تیغ وہ نہیں جس میں ہو زنگ پیوستہ
اگرچہ صورت سوہاں ہے سراپے قمری
گلے میں تیرے ہے پر طوق تنگ پیوستہ
نہیں وہ آئینہ میں کاں کے گھر کا عکس
ہوا ہے بحر کی تہ میں نہنگ پیوستہ
سر اپنا ہجر میں دیوار سے جو ٹکراؤں
جدا جدا ہو وہیں خشت و سنگ پیوستہ
بہم ہوں سامنے وہ ماہ تو تماشہ ہے
بھویں دکھاوے وہ شوخ و شنگ پیوستہ
تو اب تو ہاتھ اُٹھا قتل سے کہ قبضۂ تیغ
ہوا ہے ہاتھ میں اے خانہ جنگ پیوستہ
بدن سے مرد لاور کے حلقہائے زرہ
رہیں ہے صورتِ داغ پلنگ پیوستہ
وہ کب نکلتا ہے جبتک نہ دم مرا نکلے
جگر میں ایسا ہے تیر خدنگ پیوستہ

ظفر سمجھ نہ اُسے زلف روئے جاناں پر
یہ ہے فرنگ سے سرحدِ زنگ پیوستہ

خال کے دانے سے دیکھ اس سبب غبغب میں گرہ
جتنے سیب خلد ہوں ہوں تخم سے سب میں گرہ

زلف کے حلقے میں وہ تابندہ اختر دیکھنا
قرص ماہ سے کیا لگے ہے دامن شب میں گرہ

دل کے داشد سے یہ کھلتا ہے کہ شاید دل کی جاء
غنچہ ساں پیدا ہوئے انساں کے قالب میں گرہ

دل گرفتوں کے بگولے خاک سے اے شہسوار
ڈال کر لنگ لگائے پائے کوکب میں گرہ

عکس چشم مست ساقی ہے کیا نسبت اُسے
ہے حبابِ مے تو اک لبالب میں گرہ

موج دودِ آہ سے میرے فلک پر کیا عجب
ہو سیاہ چوں مردمک گر چشم کوکب میں گرہ

سینکڑوں قصے کہوں میں رو برو اُس کے و لے
پڑتی ہے میری زباں پر حرفِ مطلب میں گرہ

رکھتے ہیں رشتہ محبت کا ظفر جو دل میں صاف
دانہ تسبیح بھی ہے اُن کے مذہب میں گرہ

اُن سے دیکھ کے ابرو ہلال کیسا کچھ
اُسی سے جانو کہ ہوگا جمال کیسا کچھ

فلک کے ہم نے ستائے تو کر لئے معلوم
کھُلا نہ یہ کہ ہے اُس رُخ کا حال کیسا کچھ

جو دوست تھے وہ ہیں دشمن عجب تماشا ہے
ہوا ہے زمانہ کا دیکھو حال کیسا کچھ

مرے زوال سے جانو کمال کو میرے
زوال یہ ہے تو ہوگا کمال کیسا کچھ

نہ ہو کیونکہ گرفتار تار میں دل
بچھایا زلف نے ہے اسکی جال کیسا کچھ

نہ آئے بہر عیادت جو وہ مسیحا دم
تو ہو مریض کو اس کی ملال کیسا کچھ

ظفر نے فلک نے جو کجروی کے ڈھنگ
تو اک زمانہ ہوا پائمال کیسا کچھ

اُس کی قدرت کا اور ہے نقشہ — اُس کی عادت کا اور ہے نقشہ
شامِ غربت کا اور ہے نقشہ — صبح عشرت کا اور ہے نقشہ
اب نقاہت کا اور ہے نقشہ — اپنی طاقت کا اور ہے نقشہ
میری صحبت خوش آئے کیونکر نہیں — اُن کی صحبت کا اور ہے نقشہ
جائے تبرید سے تپ غم کیا! — اس حرارت کا اور ہے نقشہ
تیری اُن سرد مہریوں پر بھی — سوزِ اُلفت کا اور ہے نقشہ
جانے کیا بوالہوس حقیقت عشق — اس حقیقت کا اور ہے نقشہ
ہے قیامت سے اس کو کیا نسبت — تیری قیامت کا اور ہے نقشہ
کیونکر جانبر ہو دردمند تیرا — دردِ فرقت کا اور ہے نقشہ
تھا تو مجنوں کو بھی جنوں لیکن — میری وحشت کا اور ہے نقشہ
نقش جب لکھتے ہیں عبث احباب — کہ محبت کا اور ہے نقشہ
جب سے دیکھا ہے تجھ کو آئینہ رو — اپنی حیرت کا اور ہے نقشہ
کھینچ صورت نہ اُس کی صورت گر — اُس کی صورت کا اور ہے نقشہ
کرے جراح چارہ کس کس کا! — ہر جراحت کا اور ہے نقشہ

اے ظفر جہاں میں خلق کہاں
اب تو خلقت کا اور ہے نقشہ

دیگر

کھینچا عجب ترے روئے جبیں کا ہے نقشہ — وہ مہر کا ہے یہ ماہ جبیں کا ہے نقشہ
بدلنا غم اس اندوہگیں کا ہے نقشہ — تو لہجہ لہجہ چنان اور چنیں کا ہے نقشہ
ہزاروں دور ہیں وہ ہم سے پر ہیں پیش — تصور اپنے میں اک دوربیں کا ہے نقشہ
نہیں فلک پہ شفق اور کسی شہید کی خاک — کہ اور رنگ پہ چرخ بریں کا ہے نقشہ
سنوارتا ہے جو تو زلف اپنی او کافر — بگڑتا خلق کے ایمان دیں کا ہے نقشہ
کوئی حلاوت دنیا میں یہ کے کیا نکلے — کہ یہ تو بس مگس وانگبیں کا ہے نقشہ
یہ جوہر آئینہ میں ہیں کہ بے قلم کیا صاف — اُتار لیتا وہ اس نازنیں کا ہے نقشہ
پڑے ہیں خاک پہ لاتنے ہمارے گوہر اشک — کہ مثل چرخ پر انجم زمیں کا ہے نقشہ

گلی کو دیکھ کے اُس حور وش کے آجاتا
مرے خیال میں خلد بریں کا ہے نقشہ

لبوں تک آئی ہے لے لے دم ہزار جگہ
یہ ضعف سے مری جان حزیں کا ہے نقشہ

عیاں ہے خواب میں پنہاں ہے وقت بیداری
ظفر عجب مرے پردہ نشیں کا ہے نقشہ

دیگر

یار اغیار ہیں کیا آج بہم ایک جگہ
دونوں ہیں میرے لئے شادی و غم ایک جگہ

کعبہ و دیر میں کیا مسجد و بتخانہ میں
سب جگہ ہے نہیں میرا وہ صنم ایک جگہ

ہم کو پہنچایا تصور نے میرے ہر واں تک
ورنہ تھے بیٹھے رہے ضعف سے ہم ایک جگہ

حرف شکوہ جو رکاوٹ کا تمہارے آیا
رک گیا صفحۂ کاغذ پہ قلم ایک جگہ

مر گیا پھوڑ کے سر عاشق سر باز ترا
تھا ابھی ذکر ترے سر کی قسم ایک جگہ

مہربان غیر پہ ہو ہم پہ ستم تم نے کیا
ہو کرم ایک جگہ اور ستم ایک جگہ

پھرتا آوارہ ہوں پیچھے کسی ہرجائی کے
ٹھہرا کس طرح ظفر میرا قدم ایک جگہ

دیگر

قلم سے بال نہ نوکِ قلم نکال کے لکھ
جگر سے آہ دلا دمبدم نکال کے لکھ

جواب نامہ ہمارا ہمارے قاصد پر
نہ آنکھیں غصے سے لے پر ستم نکال کے لکھ

لگاوے دل کو وہی جو اٹھاوے جان سے ہاتھ
کفن پہ میرے تو یہ میرا دم نکال کے لکھ

کبھی تو مجھ کو طلب کر مرے خدا کے لئے
کوئی ملاپ کا رستہ صنم نکال کے لکھ

کہے ہے کون کہ خط اُس کو تو نہ لکھ اے دل
پر اپنا حد سے نہ باہر قدم نکال کے لکھ

طبیب میرے لئے بھی کتاب میں سے تو
کوئی تو نسخۂ آزار غم نکال کے لکھ

پڑھے خوشی سے جو وہ خط ظفر مرا لے کر
کچھ ایسی تو نئی طرز رقم نکال کے لکھ

سینے پہ دھر کے ذرا دیکھ ایک بار ہاتھ
یہ حال ہے کہ اچھلے ہے دل چار چار ہاتھ

ہو جائے دسترس جو تری زلف تک مجھے
میں جانوں آگیا مرے ملک تتار ہاتھ

میرا دل رمیدہ ہوا کب کسی کا صید
قسمت سے آگیا ہے ترے یہ شکار ہاتھ

اُمید پر وفا کی اُٹھاتا ہے کیوں جفا! — اُس سے اُٹھا تو لے دلِ اُمید وار ہاتھ
دیکھے جو تیرے ہاتھ میں شمشیر آبدار — دھو بیٹھے زندگی سے تیرا جاں نثار ہاتھ
ہاتھوں سے غم کے اب ہے ہیہات میرا حال — ملتے ہیں مجھ کو دیکھ کے سب غمگسار ہاتھ
صورت گر ازل نے جو کھینچی تیری تشبیہ — آپ اُس نے چوم لئے اپنے نگار ہاتھ
موقوف ایک ہاتھ پر اس کا کرم نہیں — دینے پہ آئے وہ جو ظفر ہیں ہزار ہاتھ

دیکھ اے آئینہ رو اپنا دکھا مت نقشہ — ہم کو دکھلائے گی کچھ اور ہی حیرت نقشہ
ماہ کنعاں ترا ہم شکل ہو کس صورت سے — نہ یہ صورت نہ یہ امکانِ ملاحت نقشہ
گر یہی تیری گریہ و زاری ہے تو پھر صبح تلک — دیکھیے اپنا ہو کیا اے شبِ فرقت نقشہ

دیکھ کر نقشہ ترا کہتے ہیں نقاش ظفر
یہ کھنچے کس سے بجز خامۂ قدرت نقشہ

نہ کر ہر ایک سے تو وہ کلام بیہودہ — کہ جس سے ہو تیرا مشہور کام بیہودہ
نصیب ہوگا نہ ہرگز وہ بوسۂ رخِ زلف — یہ ہے خیال ہمیں صبح و شام بیہودہ
ترے شہید محبت کی نعش پر قاتل — ہوا ہے خلق کا یہ اژدھام بیہودہ
جو اشک خوں نہوں بیفائدہ ہے دیدۂ دل — بغیر بادہ ہے مینا و جام بیہودہ
ترے خرام کے آگے غرور فتنۂ حشر — ہے ایک لاف ہے اے خوش خرام بیہودہ
جو دل میں آئے سو فرماؤ تم بھی حضرتِ عشق — کریگا عرض نہ یہ کچھ غلام بیہودہ
نہیں دہن میں مرے غنچہ لب کی جائے سخن — کلام کرتا ہے یہاں لا کلام بیہودہ
نہ کچھ ہے گریہ سے حاصل نہ آہ و نالہ سے — ہمارے عشق میں ہیں دونوں کام بیہودہ

جو ذکر کیجیے کچھ اے ظفر تو ذکر خدا
بغیر اسکے ہیں باتیں تمام بیہودہ

نشہ میں کس نے اُتارا تھا طاق سے شیشہ — کہ گر کے ہاتھ سے ٹوٹا تراق سے شیشہ
ہمیں تو جام ہی پر ٹالتا رہا ساقی — ہوا نصیب کبھی اتفاق سے شیشہ
بہت دنوں جو ہوتی ہے بزم وصل نصیب — ملے ہے جام سے کیا اشتیاق سے شیشہ
نہ کر فلک سے طلب شربت محبت تو — بھرا ہوا ہے یہ زہر نفاق سے شیشہ
اگر اشارہ ہو کچھ میرے مست ساقی کا — تو آئے بزم میں اک طمطراق سے شیشہ

جو سیکھی لب سے ترے طرز خندۂ نمکیں
ہنسے نہ بزم میں خالی مذاق سے شیشہ

ظفر ستم ہے کہ وہ شوخ سنگدل توڑے
ہمارے دل کا بہ سنگ فراق ہے شیشہ

پڑے جس جا پہ تری زلف دوتا کا سایہ
نہ رہے نام کو وہاں اور بلا کا سایہ

کیا عجب شاخ کو گر گاؤ زمیں کو توڑے
اس گرانبار غم و رنج و حنا کا سایہ

اُس سے پیدا گل اور رنگ ہو یا مہندی
پڑے جس خاک پہ اس خندق پا کا سایہ

اپنے آرام کو اس باغ جہاں میں ساقی
عجب مستوں نے ترا تاک کا تاکا سایہ

دل دیا ہے ہم نے اس مہر و وفا کو اپنا
کہ پڑا جس پہ نہیں مہر و وفا کا سایہ

کشتۂ دست حنائی ہوں مرے تربت پر
کیا عجب ہے کہ رہے نخل حنا کا سایہ

اپنی سے ہیں ہم آپ ظفر ظل اللہ
نہیں درکار ہمیں بال ہما کا سایہ

میں نہیں دل سے بت ہوش ربا کا بندہ
بندہ شرطی ہوں ولے میں ہوں خدا کا بندہ

کوئی ایسا نہیں دنیا میں خدا کا بندہ
کہ نہیں اس صنم ہوش ربا کا بندہ

کیونکر پھر قدر ہو اس مہر و وفا کی اُس کو
کہ وہ بے مہر نہیں مہر و وفا کا بندہ

اللہ اللہ کہ تری شرم و حیا کا عالم
ایسا دیکھا ہی نہیں شرم و حیا کا بندہ

ہو ترا شربت دیدار میسر جس کو
درد میں وہ نہ ہو محتاج دوا کا بندہ

سرخرو حشر کو ہوگا وہ سب بندوں میں
جو شہید اُس کی ہوا تیغ جفا کا بندہ

تو جو ہے بندۂ حق بیٹھ خدا کے در پر
دربدر نہ پھر حرص و ہوا کا بندہ

خواہ ہندو ہو کوئی خواہ مسلماں ہو لیکن
یہاں نہیں کون ترے آں داد کا بندہ

تیرے ہر جور پہ صابر ہوں جفا پہ راضی
دیکھ تو میں بھی تو ہوں صبر و رضا کا بندہ

اے ظفر جیسے میں اس بت کا بنا ہوں بندہ
دیکھتا ہے مجھے ہر ایک خدا کا بندہ

ردیف یائے تحتانی ۱

پر اشک مژگان ہے آہ دل سوزاں ہے
یہ سرو چراغاں ہے وہ شمع شبستاں ہے

خال اُس کے رخ پر ہے جلوہ کناں دیکھو
یہ انجم انور ہے اور وہ ماہ تاباں ہے

تیرے نگہ و مژگاں کیونکر نہ ہوں اب قاتل
یہ ناوک براں ہے وہ خنجر براں ہے

کب خالِ زنخداں میں اب اُس کے چمکتا ہی — یہ یوسفِ مصری ہے اور وہ ماہ کنعاں ہے
لختِ دل و اشک اپنی آنکھوں سے رواں کب ہیں — یہ لعلِ بدخشاں ہے وہ گوہرِ غلطاں ہے
کیا کہیے دلا کیا ہے اس کا دہن و قامت — یہ غنچہ شگفتہ ہے وہ سروِ گلستاں ہے

زلف و رخ جاناں کی مت پوچھ ظفر حالت
یہ ابرِ بہاراں ہے وہ برقِ درخشاں ہے

اُسے لاؤں میں نہ ہوں چشم تر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
جو وہ آوے میں نہ کروں نظر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
کبھی دل یہ چاہے کہ بوسہ لوں کبھی جی میں ہے کہ گلے لگوں
ولے کیا کروں بتِ لب شکر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
وہ چور ہوئے غیروں کے جا کے گھر میں ادھر خراب ہوں دربدر
کروں کیونکر یار و میں درگذر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
مرے اور اُس کے اب تلک یہ مرافقت ہے کہ کیا کہوں
پھرے وہ اُدھر رہوں میں ادھر نہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے
وہ کہے ہے مجھ کو کہ آوے گھر مجھے اُس کے گھر سے لگے ہے ڈر
تو ہی کہہ کہ کیا کروں اے ظفر نہ یہ ہو سکے نہ وہ ہو سکے

دیگر

کیوں میکشی سے ہر دم کیجیے حجاب ساقی — ہے اپنا ان دنوں میں عہدِ شباب ساقی
دے جام گل میں بھر کر صہبائے ناب ساقی — آنکھوں میں کر دیں ہم آفتاب ساقی
اِس ابر میں خوش آوے کیونکر نہ سیر دریا — کیفیتوں سے پُر ہے جامِ حباب ساقی
لختِ دلِ برگشتہ مژگاں پہ یہ نہیں ہے — لایا ہوں تیری خاطر جامِ شراب ساقی
ابرو کا تیری جلوہ دیکھا ہے شاید اُس نے — جو ماہِ نو ہے شب کو پا در رکاب ساقی
سنبل ہے کیا پریشاں ہے دیکھ زلف تیری — روحِ نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی
ساغر کشی ہماری مت پوچھ تو کہ تجھ بن — پیتے ہیں خونِ دل ہم جائے شراب ساقی
اس ابر اس ہوا میں دل کو گھٹا نہ میرے — پیکِ صبا نہ کہتا اب آ شتاب ساقی!
جو زلف و رخ کو تیرے دیکھے ہے یہ کہے ہے — کیا جلوہ گر ہیں باہم برق و سحاب ساقی

تجھ بن پنک رہا ہے پتھر پہ سر کو شیشہ
ساتھی ہے یہ نہ تنہا چشم پر آب ساقی

ساغر کشی ظفر میں اس دور میں کروں کیا
شیشے پڑے ہیں ہے مست خواب ساقی

اے غنچہ دہن میرے تو سرو گلستان ہے
دل کیوں نہ شگفتہ ہو تو بھی گل خندان ہے

دلسوز ہے اک عالم روشن ہے سبھی تجھ پر
پروانہ میں تیرا ہوں تو سروِ شبستان ہے

ٹھہرے بن مژگان ہیں یہ لخت جگر اپنے
پنگھٹ میں یہ اے مردم کیا سیر چراغان ہے

کیا پان کی سرخی ہے لب پر تیرے اے کافر
دیکھے سے خجل جس کو ہے لعلِ بدخشاں ہے

کیا اُس کے چمکتے ہیں دندانِ مستی آلودہ
یہ خانۂ نیلم میں الماس نمایان ہے

جاناں مرے پہلو سے ہردم ذرا کئے
تو ہی مرا جاناں ہے اور تو ہی مری جاں ہے

دیکھ ابر کے پردے میں پنہاں ہے نہیں بجلی
یہ گرم شرارت میں آہ دلِ سوزاں ہے

وہ غنچہ دہن اپنا ایسا ہے بصد خوبی
الفت میں ظفر جس کی دِل چاک گریبان ہے

ہم پہ یہ تپ عشق سے اب آن بنی ہے
انگڑائی یہ انگڑائی ہے اعضا شکنی ہے

لی کس نے نہیں دیکھ تیری چال فقیری
ہر کھک دری کے گلے میں بھی کفنی ہے

جب تاج زر آلودہ پہ نازاں ہے جگائے شمع
اس واسطے تو لایق گردن زدنی ہے

گلگیر کِ گلشن میں خجل سے نہیں تنہا
شرمندہ تیرے لب سے بھی لعلِ یمنی ہے

سہمے ہے سدا سینے پہ داغِ دلِ اپنا
یار ایسی نگاہ تیری جو ناوک فگنی ہے

گلشن میں بحر میں اے نو گلِ خوبی
ہر قطرۂ شبنم مجھے ہیرے کی کنی ہے

جو غنچہ ہمیشہ سر بگریبان ہے ظفر تو
سمجھ نہ کر دل میں کہ اللہ غنی ہے

جبکہ دریا میں تو چھینٹوں سے لڑی پا نیکے
موج کیوں منہ پہ طمانچہ نہ پڑے پانیکے

عرق آلودہ تیرے دیکھ دہن کو گل رو
پڑ گئے لاکھوں ہیں غنچہ پہ گھڑے پانے کے

مردماں ہیں یہ کہاں بید پہ دریا میں جناب
اُبلے سے ہیں کچھ دل پہ پڑے پانے کے

عکس خط آئینے ترا نہیں اے حضرت خضر
درمیاں آن کے شاید ہیں گھڑے پانیکے

رو گئے مژگاں سے کہا جوشِ وفورِ گریہ
یعنے خس منہ پہ بھلا کیونکہ اڑے پانیکے

ہیں کہاں بحر میں مردم سر گرداب چناب — ہیں پڑے پاؤں میں ماہی کے کڑے پانی کے

تو وہ آبِ شیر زباں بحرِ سخن میں ہے ظفر
خیر تیرے کون چڑھے منہ پہ کڑے پانی کے

جوشِ گریہ سے نہ کچھ دیدۂ تر بیٹھ گئے — ہے یہ طوفاں کئی ہمسایوں کے گھر بیٹھ گئے
دیکھنا ہم نہیں اٹھنے کے یہاں حشر تک — جس گھڑی در پہ تیرے کھول کمر بیٹھ گئے
کیا ہوا مست ہو فقط بادل پر داغ جو ہم — تیرے پہلو میں ذرا رشکِ قمر بیٹھ گئے
دشتِ وحشت کو کرونگا وہیں سرگذشت — آبلے پاؤں کے یہ مرے اگر بیٹھ گئے
کیا کریں صاحبِ فن یارو بتاؤ مجھ کو — قدر داں اُٹھ گئے سب اہلِ ہنر بیٹھ گئے
تیرتے آتے نہیں اب جو نظر دیدۂ تر — آہ اشکوں میں کہیں لختِ جگر بیٹھ گئے
چھوڑتا جاں کو لبِ تیر نگاہ وہ ہم کو — دُور سے ہم بھی اُسے دیکھ کے پر بیٹھ گئے

منزلِ عشق بہت دُور ہے اللہ اللہ
ایک ہی گام میں ہم تھک کے ظفر بیٹھ گئے

یاد آتی ہے اس آئینہ رو کی کمر مجھے — کس طرح سے نہ ہووے عدم کا سفر مجھے
اس گلبدن کی یاد میرے دل میں تھی جو رات — آیا نہ خواب مسندِ کمخواب پر مجھے
نرگس میں سیر چشم ہوں بستانِ دہر میں — تیری طرح نہیں ہے ہوس سیم و زر مجھے
کچھ ہوش میں بھی آنے دے مجھ کو خدا سے ڈر — اے بیخودی چلی ہے تو لیکر کدھر مجھے
مرتا ہوں دے تو بوسہ لب کچھ نہ بات پوچھ — بھاتا نہیں ہے شربتِ قند و شکر مجھے
روزِ وفات کا تو خطر کچھ نہیں مجھے — اے ہمنشیں ہے پر شبِ ہجراں کا ڈر مجھے
دریا کا پاٹ تختۂ دامن تو بن گیا — اور اس سے کیا دکھائیں گے اب چشمِ تر مجھے
چاکِ قفس سے دیکھ رہا ہوں رخِ چمن — صیاد ہے نہیں ہوس بال و پر مجھے

جلوہ اُسی کا دیر و حرم میں ہے اے ظفر
آتا نہیں اس کے سوا کچھ نظر مجھے

دیگر

جب سے وہ چھٹا ہاتھ سے داماں ہمارے — ہے تب سے جنوں دست و گریباں ہمارے
بالیں پہ دمِ نزع آیا نہ ستمگر — سب رکھے ہے دل ہی میں ارمان ہمارے

سب رکھے ہے دل میں یہ ارمان ہمارے
خوباں کہاں جاتی ہو میں قربان تمہارے

کہتے ہیں کہ تیشے کو دہرا سان پہ اپنے
یہ سنتے ہی بس اڑ گئے اوسان ہمارے

لختِ جگر و اشک ہیں حاضر ترے آگے
یہ لعل ہیں وہ گوہر غلطان ہمارے

جمعیتِ دل تیرے سبب سے ہیں وہ برہم
کیوں ضد میں پڑے زلفِ پریشان ہمارے

آیا ہے ظفر پہن کے پوشاک وہ گلگوں
قاتل نے کئے قتل کے سامان ہمارے

چاندنی کی سیر خوباں تا سحر دیکھا کئے
اور ہم اُن کا رخِ رشکِ قمر دیکھا کئے

کیا کہوں کیونکہ تجھے رشکِ قمر دیکھا کئے
وہ نظر آئے نہ جن کو پھر نظر دیکھا کئے

شب تجھے کیا ہم اے رشکِ قمر دیکھا کئے
ماہ پروین بھی ترا رخ تا سحر دیکھا کئے

نہ ہوئی تسکیں کچھ بھی اس دلِ حیران کو
کو تیری تصویر ہم آٹھوں پہر دیکھا کئے

تم نظر آجاؤ شاید اس ہوس میں آج ہم
صبح سے تا شام سوئے رہگذر دیکھا کئے

ہم تو خاک و خون میں غلطاں ہی تھے بسمل
وہ تماشا اے دلِ خستہ جگر دیکھا کئے

صبح اے گلرو تری آنکھوں کو چشمِ شوق سے
کیا فقط گلہائے نرگس بھر نظر دیکھا کئے

آہ آتش بارے دل اور جگر جلتے رہے
ہائے تم اے مردماں یہ چشمِ تر دیکھا کئے

لالۂ گل ہے تیرے رخسارہ رنگین کو
باغ میں جب تک رہا تو جلوہ گر دیکھا کئے

گر نہیں ہے ربط کچھ باہم تو پھر محفل میں شب
تم انہیں اور وہ تمہیں کیوں اے ظفر دیکھا کئے

تیری نگاہ او بت بے پیر پھر گئی
قسمت مری الٹ گئی تقدیر پھر گئی

ہم مر گئے تو ہل کے ہواؤ نسیم سے
خاک اس گلی میں اپنی یہ تدبیر پھر گئی

دیکھا جو کل اک عاشق معشوق کو بہم
اپنی نظر میں بس تیری تصویر پھر گئی

قاتل ترا جو ہاتھ رکا میرے قتل سے
ہو کر قضا بھی میرے گلوگیر پھر گئی

خط کا مرے جواب نہ اس نے لکھا ظفر
کیا سرنوشت کہ مری تحریر پھر گئی

چمن حسن کی رنگت گئی تازی بدلی
گلبدن تو نے جو پوشاک نیازی بدلی

منہ کیا کعبہ کے رخ ابرو جان سے پھر
جائے سجدے کی عبث میں نے نمازی بدلی

کیوں نہ اوراق دلِ اب مرے ہوں یکدست
گنجفے میں جو کچھ اس شوخ نے بازی بدلی

کوئی رکھتا ہے بھلا صاف دلوں سے بھی غبار
شیشہ گر کیا روشن آئینہ سازی بدلی

ہم حقیقی سے سمجھتے تھے کم تجھ کو پر آب
تیری تاثیر گئی عشق مجازی بدلی

گرچہ پروانہ ہو رات کو دلسوزی سے
شمع محفل کی نہ پر دل کی گدازی بدلی

لکھ بہ تبدیل نوائی غزل آگ اور ظفر
ہم نے سلک در مضمون کی درازی بدلی

کہوں کیا حال چشم و دل شکایت اس میں دو کی ہے
بیانِ عشق ہے مشکل شکایت اس میں دو کی ہے

جگر اور دل کی پوچھے ہے تو بس یہ ذکر جانے دے
کہوں کیا خاک اے غافل شکایت اس میں دو کی ہے

الم اور غم سے جو گذرے ہے جگر پہ منہ نہ کھلواؤ
نہ پوچھو آہ کیا حاصل شکایت اس میں دو کی ہے

حقیقت ابرو مژگاں کی تو اپنے پوچھ مت ہر دم
نہیں لکھنے کے یہ قابل شکایت اس میں دو کی ہے

دکھایا اور سنوایا جو کچھ ہے دیدہ و دل نے
ظفر کس سے کہوں شامل شکایت اس میں دو کی ہے

ہو رہا ہے اب نشہ جام کے گلگوں تجھے
شیشہ دل ہے بہت نازک وہ کیونکر دوں تجھے

پوچھتا ہے کون شہر عشق میں مجنوں ہے
اک تری تقدیر میں ہے گوشہ ہاموں تجھے

خاک میں مل جائیگا اے سرو گلشن تو ابھی
گر دکھا دیوے وزادہ قامتِ موزوں تجھے

ایک عالم تھا ترا مائل ولے اے سادہ رو
آئینہ نے کر رکھا ہے اپنا اب مفتوں تجھے

رشک سے کیونکر نہ اپنے ہونٹھ چاٹیں مدعی
حقتعالے نے دیا ہے وہ لب میگوں تجھے

تو بھی آنکھوں سے لہو روویگا سن اے ہمنشیں
میں سناؤنگا اگر حالِ دل پر خوں تجھے

میں خفا ہوں تو بلا سے تو خوشی رہ جان من
ورنہ مرجاؤنگا دیکھونگا اگر محزوں تجھے

چشم دریا بار سے رو کش تو ہوتا ہے مرے
میں دکھا دونگا تماشا نیل میں اے جیحوں تجھے

جب سے ہے اسکی کمر کا اے ظفر تجھ کو خیال
سوجھے ہیں باریک کیا کیا تب سے یہ مضمون تجھے

دیگر

لختِ دل اور اشک کو کیوں کر کہوں یکساں ہے
وہ دُرِ غلطان ہے تو یہ ہماں مرجان ہے
مار کاکل زلفِ سنبل رخ ہے رشکِ سمن
سروِ قد ہے غنچہ لب ہے خود گلِ خندان ہے
چشم و رُخ کو دیکھ کر تیرے سدا اے سادہ رو
دنگ ہے نرگس یہاں اور آئینہ حیران ہے
برمیں رخشندہ کب ہے برق اے پیرِ فلک
وہ ہمارا دودِ دل یہ نالہ سوزان ہے
دیکھ کر خالِ زنخدان نہ ہوئے ڈانواں ڈول
چاہِ کنعان وہ ہے اور یہ یوسفِ کنعان ہے
ہاتفِ غیبی سے کل آئی ندا مجھ کو ظفر
فکر میں تاریخ کے رہتا ہے کیوں حیران ہے

ہوتی ہوتی چشم سے آج اشکباری رہ گئی — آبرو باری تری ابرِ بہاری رہ گئی
آتے آتے اِس طرف اُن کی سواری رہ گئی — دل کی دل میں آرزوئے جان نثاری رہ گئی
ہم کو خطرہ تھا کہ لوگوں میں تھا چرچا اور کچھ — بات خط آنے سے تیرے پر ہماری رہ گئی
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اڑ جائیگا سب سنگِ مزار — دل میں بعد از مرگ بھی کچھ بیقراری رہ گئی
آہ اگر آتا ہے کیوں گِن گِن کے رکھتے ہو قدم — اور کوئی دم کی ہے یاں دم شماری رہ گئی
آشنا ملتے خاک میں جو خاک میں ڈھونڈے کوئی — خاکساری خاک کی ہے خاکساری رہ گئی
ہو گیا جس دن سے اپنے دل پر اسکو اختیار — اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی
جب قدم اِس کافرِ بدکیش کی جانب پڑے — دور پہنچے سو قدم پرہیز گاری رہ گئی
کھینچتے ہیں تیغِ ادا کی دم ہوا اپنا ہوا — آہ دل میں آرزوئے زخم کاری رہ گئی

شکوہ عیاری ہے یاروں سے بجا اے ظفر
اِس زمانہ میں یہی ہے رسمِ یاری رہ گئی

شاخِ مژگان ہیر اشکوں تر پانی میں ہے — یہ عمیق البحر کا دیکھو شجر پانی میں ہے

جوش گریہ نے مرے کھینچا یہاں تک سر و باج
گنبد نیلی برنگ نیلوفر پانی میں ہے

بحر و بر خالی نہیں گردش زدوں سے دیکھ لو
ہے جو خشکی میں بگولا تو بھنور پانی میں ہے

آتش دل سے ڈرا میرے سمندر اس قدر
چاہتا تھا مانند ماہی اپنا گھر پانی میں ہے

دیکھ کر تیرے لب و دنداں کو مارے شرم کے
لعل پتھر میں چھپا جا کر گہر پانی میں ہے

میرے آہ و اشک سے چرخ زمیں کا ہے یہ حال
وہ اِدھر آتش میں ہے اور یہ اُدھر پانی میں ہے

عشق میں کس سنگدل کے اس قدر رویا ہوں میں
کوہ بھی اشکوں سے میرے سر تا کمر پانی میں ہے

آئینہ میں اس کے روئے آتشیں کو دیکھنا
کیا تماشا ہے کہ آتش جلوہ گر پانی میں ہے

سینہ میں صافی دلوں کے کب ہے تاب حسن دوست
عکس خورشید درخشاں اے ظفر پانی میں ہے

عشق میں کیا ہم ہی اے تقدیر سیدھے ہو گئے
کتنے اس قالب میں ٹیڑھے تیر سیدھے ہو گئے

آتش سودا نے میرے کر دیا آہن کو موم
کھل کے میرے حلقۂ زنجیر سیدھے ہو گئے

تو ہوا ہم سے نہ سیدھا اور دست شانہ سے
بال بل کھائے تری تصویر سیدھے ہو گئے

کج ادائی سے تیرے قاتل تعجب ہے مجھے
تن پہ میرے کیوں خط شمشیر سیدھے ہو گئے

چرخ ہی رہا اور سینکڑوں بانکے جوان
ٹیڑھے ہو کر زیر چرخ پیر سیدھے ہو گئے

راستی پر کس کے قامت کے ہوا جو بعد مرگ
دست و پائے عاشق دلگیر سیدھے ہو گئے

سرنوشت اپنی نہ پلٹی اور خط معکوس کے
حرف جو اُلٹے ہوئے تحریر سیدھے ہو گئے

سیدھے وہ آئیں گے گریہ طالع وارثوں سے مرے
اک ذرا یہ آہ بے تاثیر سیدھے ہو گئے

میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے اے ظفر
جب کہ ٹیڑھی ہیں سنے کی تقدیر سیدھے ہو گئے

ظاہر ہیں کیا ظہور کے مظہر نئے نئے
جلوے ہیں اُس کے پردے کے نئے نئے

ہوں زخم میرے دِل پہ یہ کیوں نئے نئے
روز امتحاں وہ کرتے ہیں خنجر نئے نئے

صیّاد یہ اسیر نہ تڑپیں تو کیا کریں
ہیں دام میں پھنسے ابھی آ کر نئے نئے

ناز و ادا و غمزہ تو ہیں شیوہ قدیم
انداز اُن کے اور ہیں اکثر نئے نئے

جتنے کہ یہ پورانے ہیں مفتری
ہیں اُن کے واسطے بھی یہاں گھر نئے نئے

دِل ٹوٹتا ہے سب کا الٰہی کہ اُس نے آج
کیا میکدہ میں توڑے ہیں ساغر نئے نئے

آغاز خط سے کیا ہے نکالے ہیں دیکھنا
طوطیٔ باغ حُسن نے یہ پَر نئے نئے

گل خط کو ٹکڑے ٹکڑے کیا نامہ بر کو آج
کترے ہے روزِ گُل یہ ستمگر نئے نئے

اِک داغ دل کا کہنہ ہوا یہ تو پھر بھرے
پیدا ہزار داغ جگر پر نئے نئے

اِک دِل ہے اُس کو دیجیے کِس کِس کو اے ظفر
آتے نظر ہیں سینکڑوں دلبر نئے نئے

دیگر

جہاں سے کب خطِ زخسار رہ دلبر کے نیچے ہے
لئے بیضے کو طوطی اپنے بال و پر کے نیچے ہے

تصوّر اُس کی مژگان کا مجھے سونے نہیں دیتا
بچھا دیتا کوئی نشتر مرے بستر کے نیچے ہے

طلب کرتا ہے آبِ خضر تیغ قاتل سے
غرض جو سبز بخت اس گنبدِ اخضر کے نیچے ہے

بنایا خالِ عارض کے تلے اُس نے کاجل کا
ہوا پیدا اک اختر اور اُس اختر کے نیچے ہے

ہوا سے جیسے شاخ گل ہے اِس طرح سینے میں
کفِ ساقی کو رعشہ دمبدم ساغر کے نیچے ہے

مری آواز زیرِ بام سنتا ہے تو پھر وہ ہیں
اُتر جاتا وہ کوٹھے سے بہانہ کر کے نیچے ہے

قلق سے دم بدم گردن ترے صیدِ محبت کی
کبھی شمشیر کے اوپر کبھی خنجر کے نیچے ہے

خیالِ بالش پر پرو نیند اُڑاتی ہے
ترے جو آستاں کا سنگ مرے سر کے نیچے ہے

ظفر شیریں سنگین دِل کیا چالاک دستی ہے
کہ دستِ کوہکن تو دب گیا پتھر کے نیچے ہے

دیگر

کس کس آبرو کی مری تصویر آنکھوں میں پھری
میل سُرمہ کی جگہ شمشیر آنکھوں میں پھری

اُس پری رخسار نے کھولی جو اپنے منہ پہ زلف
وحشیوں کی صورتِ زنجیر آنکھوں میں پھری

خواب میں دیکھا کیا میں قصرِ جنت رات بھر
اُس کے گھر کی جو مری تعمیر آنکھوں میں پھری

شمع کیا خورشید سے بھی پھر گئی میری نظر
جب کہ اُس کی شکل پر تنویر آنکھوں میں پھری

جب پھر آیا وہ شکار افگن تکتے تکتے راہ
پتلی آنکھوں کی تیری نخچیر آنکھوں میں پھری

سبزۂ خط دیکھ کر رُخ تیرے اے سروِ مہرو
اک بہارِ گلشن کشمیر آنکھوں میں پھری

نالۂ دل سے ظفر کے اک سلائی میل کی
تیری آخر آسماں بے پیر آنکھوں میں پھری

دیگر

دِل ہی سے پوچھو عشق میں جو دِل پہ بن گئی
بسمل ہی جانتا ہے جو بسمل پہ بن گئی

برپا ہو کیوں نہ خانہ زنداں میں روزِ غسل
میرے جنوں سے اب تو سلاسل پہ بن گئی

پہنچی نہ رفتگانِ عدم کی نہ کچھ خبر
کیا جانے کیسی جاتے ہی منزل پہ بن گئی

ناخن پہ رفتہ رفتہ تیری سرخئ حناء
تصویر ماہِ نو مہ کامل پہ بن گئی

ہستی کے باغباں کی ظفر پوچھتا ہے کیا
تو کچھ چمن میں جاں عنادل پہ بن گئی

دیگر

گلشن دل سے جو کچھ چیدہ چیدہ آئینگے
لختِ دل با قطرۂ خوں چکیدہ آئینگے

دل میں ہے کیا کیا کدورت پردہ منہ پہ دیکھنا
آئینہ کی طرح ہو کر صاف دیدہ آئینگے

وحشیوں کو اپنے کر رکھ رام گرم کیجیے
ہاتھ تیرے پر نہ آہوئے رمیدہ آئینگے

منت خنجر نہ کھینچے کے ترے سر بازِ عشق
مثل ماہی صیدگاہ میں سر بریدہ آئینگے

اس چمن میں مثل نرگس آنکھ ہو گی جنھیں
جب یہاں وہ آئیں گے گوش خمیدہ آئینگے

اے ظفر جب دم سُنے آمد صنم دلدار کی
پہلے استقبال کو آنسوئے دیدہ آئینگے

دیگر

کہاں خلقت عزیزو زیرِ چراغ پیر پھرتی ہے
یہ فانوسِ خیالی ہیں ہر اِک تصویر پھرتی ہے
نہ چرخِ آسیا ہوں نے بھنور ہوں نے بگولا ہوں
مجھے تو کیوں لئے اے گردشِ تقدیر پھرتی ہے
نہ چھوڑا ساتھ مر کر بھی کہ تیرے ساتھ ہی لپٹے
ہر اک سایہ روحِ عاشقِ دلگیر پھرتی ہے
ہوئی ہے جوشِ گل سے جوشِ وحشت اسقدر پیدا
کہ ہر موج پہنے ہوئے زنجیر پھرتی ہے
تمہیں آتا ہے زیر چرخ خواب اے غافلو کیونکر
کہ شب کو کہکشاں کھینچے ہوئے شمشیر پھرتی ہے
اترتے ہیں گلے میں گھونٹ اب تو زندگانی کے
چھری جب حلق پر قاتل دم تکبیر پھرتی ہے
ظفر کو منزلِ مقصود پر تقدیر لے پہنچی
کدھر بھٹکی ہوئی سی عقل بے تدبیر پھرتی ہے

دیگر

جس وقت اُس کی زلفِ گرہ گیر کھُل پڑی
سودائیوں کے پاؤں کی زنجیر کھُل پڑی
اُس خاک در کا سرمہ جو اشکوں میں بہ گیا
گویا گرہ سے چشم سے اکسیر کھُل پڑی
کب دیکھے تیرے جنبشِ ابرو کی خود بخود
رستم کی بھی کمر سے شمشیر کھُل پڑی
پھر موسمِ بہار میں برپا ہوا جو غُل

کیا وحشیوں کے پاؤں سے زنجیر کھُل پڑی

کیا کیا پڑے جبیں پہ گرہ شہسوار کے
فتراک سے جو گردنِ نخچیر کھُل پڑی

یہ کہکشاں کہاں ہے نشہ میں غرور کے
پگڑی مگر تیری فلک پیر کھُل پڑی

اُس غنچہ لب کے ہنسنے سے دل میں مرے گرہ
تھی گرچہ مثل غنچۂ تصویر کھُل پڑی

جانا ظفرؔ یہ ہم نے کہ اپنے کھُلے نصیب
بن کھولے اس کے در کے جو زنجیر کھُل پڑی

دیگر

کسی عاشق کا تیر اشکوں سے یہ خواب دیدہ ہے
گُلِ نرگس جو شبنم سے چمن میں آب دیدہ ہے

بجائے بادہ بھر کر خونِ دل پیتا ہوں آنکھوں میں
یہ دل شیشہ ہے اور جامِ شراب ناب دیدہ ہے

مرے اشکوں کا دریا کر رہا اتنی ہے طغیانی
نظر آتا برنگِ حلقۂ گرداب دیدہ ہے

نہ آیا ہوش اور انتظار کیا یہاں تک
سفید اپنا ہوا یہاں صورتِ مہتاب دیدہ ہے

دلِ بیتاب ہے میرے جو ہمسر ہو کے اُڑتا ہے
ہوائی ہو گیا کیوں تیرے سیماب دیدہ ہے

نہ پوچھو شوق دیدار اس پری وش کا آنکھوں میں
ہر اک اشک اور ہر ایک قطرہ خونناب دیدہ ہے

سیاہی مردمک کی داغ لالہ سے مشابہ ہے
نہ بس پر خوں مرا جو لالہ سیراب دیدہ ہے

ہمارا جوشِ گریہ بھی عجب یارو تماشا ہے
کہ ہر اک لختِ دل میرا سرِ خاب دیدہ ہے
ظفر اُس کی جدائی میں یہ اپنا حال دیدہ ہے
کہ رہتا رات دن بیتاب دلِ بے خواب دیدہ ہے

دیگر

دردِ دل آشنا جانے — اور بے درد کوئی کیا جانے
زلف تیری ہے وُہ بلا کافر — پوچھ مجھ سے تری بلا جانے
بے وفا جانے کیا وفا تیری — باوفا ہو تو وہ وفا جانے
کر دیا اِک نگاہ میں بے خود — چشم کافر ہے کیا خدا جانے
ہو نمکِ سوداگر نہ زخمِ جگر — دلِ محبت کا کیا مزا جانے
اے طبیب بیمارِ عشق کو تو اگر — زہر بھی دے تو وہ دوا جانے

سرفرازی اُسی کو ہو تو ظفر
آپ کو سب کا خاکِ پا جانے

دیگر

رونقِ گلِ بہاراں جو کم ہوتے چلے!
اشک شبنم سے نسیمِ صبحدم روتے چلے
وہ ہوس کیا خاک پہنچے منزلِ مقصود کو
جو قدم رکھتے ہی کانٹے راہ میں بوتے چلے
تھی شمیمِ زلف جو اب اور جانِ ناتواں
اُس گلی میں دوشِ بادِ صبا پر سوتے چلے
خاک کوئے یار پر شاید کہ ہے وقتِ نثار
بھو کے دامن میں جو موجِ گریہ یہ ہوتے چلے
ہو چکے دن ضبطِ گریہ کے کہ پی جاتے تھے اشک

اب تو چشم تر ظفر کچھ آبرو کھوتے چلے

دیگر

نکلنا دل سے اُس پیکان کا مشکل ہے تو بس یہ ہے
مری جان ہے تو بس یہ ہے مرا دل ہے تو بس یہ ہے
اُسی کو رکھتے بس یہ خواہش دل ہے تو بس یہ ہے
وہ لب ہیں اور کے ہے آہ مشکل ہے تو بس یہ ہے
غم حسرت کے جلنے ہیں جگر اپنا جلاتا ہوں
جو محفل ہے تو بس یہ شمع محفل ہے تو بس یہ ہے
جو قصد منزل مقصود ہے تو عشق پیدا کر
کہ اُس منزل میں اے دل بہتر منزل ہے تو بس یہ ہے
چھپا ہے لاکھ زلف یار رخ کے تل کے پردے میں
کہ مجھ پر کھل چکا ہے میرا قاتل ہے تو بس یہ ہے
ملے دانے سرشک خوں کے اور خوں سے پھپھولوں کے
ہمیں کشت محبت سے جو حاصل ہے تو بس یہ ہے
موا دل کے جگر کس کا چڑھے منہ اُس کی مژگاں پر
کہ اُس فوج صف آرا سے مقابل ہے تو بس یہ ہے
اگر ہے دیکھنا اُس کو مٹا دے اپنی ہستی کو
اگر تجھ میں اور اُس میں پردہ حائل ہے تو بس یہ ہے
ہوئے صید محبت سب تڑپ کر سرد لیکن دل
وہی گرم تپش اک نیم بسمل ہے تو بس یہ ہے
کنارے گور کے جب عشق میں پہنچے یہ جانا
کہ اُس دریائے بے پایاں کا ساحل ہے تو بس یہ ہے
دل انساں کیونکر مسند آرائے محبت ہو
کہ یہ منصب ہے اعلیٰ اُس کے قابل ہے تو بس یہ ہے

محبت میں کمال ایسا ظفر دکھلا گئے مجنوں
کہ فنِ عشق میں استاد کامل ہے تو بس یہ ہے

دیگر

وہ یوں تو ہم سے بزم میں شرمائے جائیں گے
پر دل نگاہِ گرم سے گرمائے جائیں گے

ہونگے وہ مہربان بھی کبھی میرے حال پر
یا روز مجھ پہ غصہ ہی فرمائے جائیں گے

بروں سے کب تک اِن سہر مژگاں کو دیکھئے
برہیں دل و جگر مرے برمائے جائیں گے

دِل عاشقوں تک سرور ہوگا نشے کا نہ اے ظفر
ہم اُن سے اور وہ ہم سے شرمائے جائیں گے

دیگر

شعلہ ہے وہی شمع وہی ماہ وہی ہے
خورشید وہی نور سحر گاہ وہی ہے

حور و ملک و دیو و پری انس و بنی جاں
سب صورتوں میں ماہی دلخواہ وہی ہے

یوسف وہی زلیخا وہی یعقوب
کنعان ہے وہی مصر چاہ وہی ہے

راہ رو وہی رہبر وہی ہے راہ مقصود
گمراہ وہی راہ سے آگاہ وہی ہے

کیا حسن میں کیا عشق میں سب میں ہے وہی تو
یہ موجب غمزہ سبب آہ وہی ہے

مجنون خراباتی و دیوانہ و ہوشیار
درویش و گدا شاہ شہنشاہ وہی ہے

خارا میں شرر ہے تو ظفر لعل میں وہ رنگ
واللہ وہی سب میں ہے یا اللہ وہی ہے

دیگر

کیوں ہر اک جا پہ جا نکلتا ہے
نام اس میں بڑا نکلتا ہے

طعنہ دیتے ہو غیر کو لیکن / صاف میرا گلا نکلتا ہے
کشش عشق کھینچ لائی اُسے / کوئی ڈوبا ہوا نکلتا ہے
اُس کے چاہِ ذقن سے دل میرا / کوئی ڈوبا ہوا نکلتا ہے
ہے غضب تیر و خارِ دشتِ جنوں / توڑ کر پشت پا نکلتا ہے
مر گئے ہم زباں سے اُس کی / دیکھیں کب مرحبا نکلتا ہے
کیوں ہوا بوریا نشین زاہد / اِس میں حرفِ ریا نکلتا ہے
سیر کی جا ہے کوچہ ہستی / غیر بھی آشنا نکلتا ہے
خیر ہو دل کی آج آہ کے ساتھ / کچھ دھواں تو بھلا نکلتا ہے
کیا طپش ہے کہ شعر بھی دل سے / کچھ تڑپتا ہوا نکلتا ہے
لاش پر میرے منہ سے عالم کے / حسرتا حسرتا نکلتا ہے

زخمِ دل پر نمک فشانی سے
اے ظفر اِک مزا نکلتا ہے

دیگر

شمشیر برہنہ مانگ غضب بالوں کے مہک پردیسی ہے
جوڑی کی کندھاوٹ قہر غضب بالوں کی مہک پردیسی ہے
آنکھیں ہیں کٹوراسی ستم گردن ہے صراحی دار غضب
اور اس شراب سرخی پان رکھتی ہے جھلک پردیسی ہے
ہر بات میں اُس کی گرمی ہے ہر بات میں اُسکی شوخی ہے
قامت ہے قیامت چال پری چلنے میں جھلک پردیسی ہے
گر رنگ بھبھوکا آتش ہے اور بینی شعلہ سرکش ہے
تو بجلی سے کوندے ہے پری عارض کی چوک پردیسی ہے
تو خیز کچیں دو غنچے ہیں ہے نرم شکم اک خرمن گل
باریک کمر جوں شاخ گل رکھتی ہے لچک پردیسی ہے
ہے ناف کوئی گردابِ بلا اور گول سرین رانین صفا

ہے ساق بلوریں پاؤں کی کفک پر ویسی ہے

ہر بات پہ ہم سے وہ جو ظفر کرتا ہے رکاوٹ مدت سے
اور اسکی چاہت رکھتے ہیں ہم جو آج تلک پر ویسی ہے

بھلا کرتے ہیں برائی ہوتی ہے / منہ سے نکلتے برائی ہوتی ہے
دست و پا میں حنا نہ باندھو تم / دیکھو اب ہاتھا پائی ہوتی ہے
ان کے دل میں غبار ہے دیکھیں / کس طرح سے صفائی ہوتی ہے
اور کو دیکھ وہ نہیں کرتے / وہ جنہیں خود نمائی ہوتی ہے
عشق کے مرض کی طبیبوں سے / دوستو کب دوائی ہوتی ہے
وقت بوس و کنار یار کے ساتھ / کیا مزے کی لڑائی ہوتی ہے
اے ظفر ہے جدھر وہ بت پھرتا / اس طرف سب خدائی ہوتی ہے

دیگر

حنائی پا جو تیرے دیکھ لے صنم لیتے / تو پائیں باغ میں جھک جھک ہم قدم لیتے
اگر وہ نام ہمارا نہ دمبدم لیتے / تو ان کا کیا یونہی مطلب ہم سمجھ لیتے
یہ ناتواں ہیں کہ چڑھتا ہے انکا ضعف سے دم / جو سانس بھی ہیں تمہارے مریض غم لیتے
کہاں ہیں شانہ صفت اتنی دسترس ہم کو / کہ ہم بلائیں تیری زلف خم نہ خم لیتے
جو روکا آنکھوں میں اشکوں کو ہم نے اپنے تو کیا / یہ آہ و نالہ تو دل میں نہیں ہیں دم لیتے
نہیں ہیں آپے میں کیا جانے انکو کیا لکھ دیں / اسی میں ڈرتے ہیں ہم ہاتھ میں قلم لیتے
وہ دیکھی ساغر دل لیکے ہم نے کیفیت / نہ دیکھے جو عوض اس کے جام جم لیتے
جو دل کو بیچتے ہیں اپنے جا کے انکے ہاتھ / وہ مول اپنے لئے ہیں غم و الم لیتے
کسی نے کچھ تو لگایا مری طرف سے ظفر / جو بات بات میں ہیں مجھ سے وہ قسم لیتے

دیگر

لڑکپن کا وہ تیرے سن یاد ہے / تیرے روٹھ جانے کا دن یاد ہے
نہیں بھولتا کوئی معبود کو / اسے کرتا ہر انس و جن یاد ہے
جو ٹھہرا ہے روز اسکے آنیکا یہاں / دلا روزِ گن یاد گن یاد ہے
نہیں بھولتا دل سے عاشق ترا / ترے ایک پل ایک چھن یاد ہے

نہ کر امتحان ہم نے جو کہہ دیا
ہمیں تو وہ اپنے ممتحن یاد ہے

گئے بھول سب عیش دنیا کے ہم
نہیں کوئی بھی یار بن یاد ہے

ظفر کو ترے زلف و رخ کے سوا
نہیں اور کچھ رات دن یاد ہے

دیگر

دیر کیوں کر رہے تھے وہ شتابی والے
اب تلک ہیں اسی محفل میں خرابی والے

ہیں جو محفل میں ترے جام گلابی والے
اُن کو تو منہ نہ لگائیں یہ خرابی والے

نہیں معلوم پڑھا جاتے ہیں کیا کیا آ کر
میرے دشمن تجھے اور روئے کتابی والے

گو زر و سیم کی رکھتے ہیں طبق شمس و قمر
پر ہیں دونوں صدقے کی رکابی والے

تجھے تو صوفیوں کے یار پر آپ ہیں مشہور
اے شرابی تیری صحبت میں شرابی والے

دل بریاں کو مرے دیکھ کے ہوتے ہیں کباب
آتش رشک سے دکان کبابی والے

عاشق غمزدہ کو اور دلاتے ہیں سوا
یوں تو محرم ہیں ظفر جامہ آبی والے

دیگر

عرق آلودہ زلف اس رخ پہ اک معجزہ نمائی ہے
شب تار اُس نے اک تاروں بھری دن کو دکھلائی ہے

گل رنگین ہے کوئی یا دست حنائی ہے
کوئی یہ شاخ رنگین ہے یا تیری نازک کلائی ہے

خط سبز اُس رخ روشن پہ ہے یہ رنگ کیا لایا
دکھاتا چشمۂ خورشید تاباں میں بھی کائی ہے

گیا جو عاشق جانباز تیرا تیرے کوچے میں
نہیں آیا وہ پھر کہ قاتل اُس کی لاش آئی ہے

بہایا اشک خوں سے رات کو میں نے ظفر دریا
نہیں سرخی شفق کی صبح ہے میں نے بنائی ہے

دیگر

مریض غم وہ عرصہ خاک پکڑے
نکلتا دم ہو جس کا ناک پکڑے

ہزاروں کو کرے قتل ایک دم میں
اگر تلوار وہ سفاک پکڑے

قسمت کہ دامن اُس پری کا
دیوانہ گریباں خاک پکڑے

اُڑائے خاک عاشق کی وہ جب دم
رواں توسن چالاک پکڑے

لکھے تھے وہ جو خط غیر و نکو تو نے
گئے آج لے بت بیباک پکڑے

عجب کیا بحرِ اُلفت میں مرا نام
جو سنکر کان بہر تیر اک پکڑے

ٹھہرنے دے ہی تو کس کو جو کوئی
زمیں اے گردشِ افلاک پکڑے

تری دردِ جدائی سے پھرے ہے
کلیجہ عاشق وغمناک پکڑے

ظفر کے منہ سے کب نکلے ہے وہ بات
کہ جس کو صاحبِ ادراک پکڑے

دیگر

بُت پرستوں کے سوا یہ بھید پاتا کون ہے
اِن بتوں میں جلوہ کیا جاتے دکھاتا کون ہے

یہ ہمیں ہیں جو لگا کر دِل لگا دیتے ہیں سر
اِس طرح دِل اُس ستمگر سے لگاتا کون ہے

عشق کے رستے میں جاتے ہیں قدم رکھتے اُکھڑ
پاؤں میری طرح سے اپنا جماتا کون ہے

جس کی شامت لائے ہے آئے وہ شامت زدہ
آہ ہے یوں بیچ میں زلفوں کے آتا کون ہے

جو کتابِ عشق میں ہے یہ پڑی ہے یک قلم
دِل تو ہے اے میرا اسکو پڑھاتا کون ہے

جس سے صورت یار کی اپنے میں آجائے نظر
عشق بِن یہ شغل آئینہ بناتا کون ہے

اے ظفر جس طرح تو سر بازار جاتا ہے نڈر
اِس طرح کوچہ میں اُس قاتل کے جاتا کون ہے

دیگر

جو تیری یادِ جلوہ قامت میں سو گئے
گویا وہ عرصہ گاہِ قیامت میں سو گئے

اُن غافلوں نے دیکھا تماشا جہاں کا کیا
جو مست ہو کے نشہ عظمت میں سو گئے

جو تیرے انتظار میں جاگے تمام عمر
حیران ہوں کس طرح سے وہ تربت میں سو گئے

ہم جواب ہونا خواب میں بھی دیکھتے نہیں
بخت اپنے ایسے تیری محبت میں سو گئے

جس روز دیکھنے یہ تیری چشم سیاہ مست
شب زندہ دار عین عبادت میں سو گئے

ہم سوتے زیرِ خاک نہ آرام سے مگر
جاگے بہت تھے رنج و مصیبت میں سو گئے

جتنے جگائے فتنہ خوابیدہ حرص نے
سب آکے میری کنج قناعت میں سو گئے

جھلا ہے تلوے پاؤں کے کانٹوں نے اس طرح
مجنوں کے پاؤں وادیٔ وحشت میں سو گئے

خوابِ عدم سے چونکہ تھے مشتاق ہم ترے
دیکھا نہ تجھ کو غور سے حسرت میں سو گئے

کرتے ہیں بعض لوگ جو انکار روزِ حشر
سوئے ہزار فتنے قیامت کے لئے ظفر

کیا نالہ کش تیرے شب فرقت میں سو گئے
اہل دل جو نشۂ دولت میں سو گئے

دیگر

زلفِ شب کس کی رہے تا دیر آنکھوں کے تلے
آج سارے دِن رہا اندھیر آنکھوں کے تلے

اے تصور میں ترے قرباں کہ تو اس یار کو
لائے ہو چاروں طرف سے گھیر آنکھوں کے تلے

لکھنے بیٹھے ہم جو خط اُن کو تو یہ گریہ بہہ گیا
حرف پر مطلب کے پانی گیر آنکھوں کے تلے

جو تری آنکھوں پہ ظالم ہو گئے ہیں مر کے ڈھیر
زیرِ گنبد فرق کا بنوا ڈھیر آنکھوں کے تلے

آ گئی جو یاد مجھ کو یادِ ابرو پر غم ترے
پھر گئی اک صورت شمشیر آنکھوں کے تلے

ہے خواجہ کی زیارت کا تصور اے ظفر
آب سا گویا میری اجمیر آنکھوں کے تلے

دیگر

نہ پوچھو کیا بناں نورِ نہاں کا کارخانہ ہے
نہ بُت ہے اور نہ بُت خانہ خدا کا کارخانہ ہے

جلا ہوتی ہے خاک تیری یاں آئینہ گر دیکھو
تماشا ہے کدورت میں صفا کا کارخانہ ہے

فریبوں میں کہیں دنیا کے تو اے دل نہ آ جانا
ذرا ہشیار رہنا یہ دغا کا کارخانہ ہے

نہیں رہتی ہمیشہ ایک سی رنگت زمانے کی
کچھ اِس کے رنگ میں رنگِ حنا کا کارخانہ ہے

اُمیدِ لطف کیا رکھتا ہے تو اُن سے کہ واں لے دل

ستم کا کارخانہ ہے جفا کا کارخانہ ہے

بچائے غمزۂ قاتل سے کوئی کیوں کر جاں اپنی
نہیں رکھتا کسی سے یہ قضا کا کارخانہ ہے

صفائی دیکھ جوں آئینہ بے دیدوں کے دیدوں کی
جہاں سے اٹھ گیا بالکل حیا کا کارخانہ ہے

ظفر مطلب فقیروں کو کسی کی کیا شکایت سے
کہ یہاں تو صبر و تسلیم و رضا کا کارخانہ ہے

دیگر

ابرو پہ تیرے دیکھ کے نقطے کو خال کے
دیکھا نہ جس نے پاس ہوا اختر ہلال کے

ہر رات ہجر میں مجھے اُس مہ جمال کے
کیا کیا فلک دکھائے ہے آنکھیں نکال کے

میری بغل سے شیشۂ دل تم نکال کے
لے تو چلے ہو پر اُسے رکھنا سنبھال کے

کشتہ ہوں اس کی چشم کا میں میری گور پر
ہووے چراغ جام چشم غزال کے

کوئی بھی ہمدم اپنا بجز نالہ و فغاں
آیا نہ کام وقت پہ رنج و ملال کے

کھینچا ہے مجھ کو شہر سے آخر کو سوئے دشت
جوش جنوں نے ہاتھ گریباں میں ڈال کے

اے غنچہ اس کے سامنے اتنا چٹک کے تو
کیا بولتا ہے بول ذرا منہ سنبھال کے

جو دل کہے وہ سچ ہے سو اس کے اے ظفر
قائل نہ استخارہ کے ہم ہیں نہ فال کے

دیگر

اِس جہاں میں آ کے ہم کیا کر چلے
بارِ عصیاں سر پہ اپنے دھر چلے

تو نہ آیا اے مسیحا دم یہاں
ہم تیری حسرت میں آخر مر چلے

اُس گلی میں ہم تو کیا خورشید بھی
ڈر کے مارے کانپتا تھر تھر چلے

اِس قدر پیکِ صبا میں دم کہاں
ساتھ اس آواز کے دم بھر چلے

لے چلے کیا اِس چمن سے غنچہ ساں
ہم تو کیسہ اپنا خالی کر چلے!

ذکر ابرو کا چلے میرے جہاں
کیا عجب تلوار واں اکثر چلے

اور تو چھوڑا یہیں کا سب یہیں
ایک تیرا داغ ہم لے کر چلے

دم نہ مارا ہم نے تیرے عشق میں
سر پہ آری بھی ہمارے گر چلے

دل ہی قابو میں نہیں جب اے ظفر
تم وہاں کس کے بھروسہ پر چلے

دیگر

ہم نئے ہیں آج اے صیاد کیا پکڑے گئے
بارہا چھوٹے قفس سے بارہا پکڑے گئے

تیرے کوچے میں گئے خط جب سُنا پکڑے گئے
کچھ مرے یاروں کے دل لے کر با پکڑے گئے

نکلے مثلِ نالۂ زنجیر جب زنجیر سے
پھر نہ ہم سودائیِ زلفِ دوتا پکڑے گئے

زلف کو چھیڑا صبا نے ہے ہماری کیا خطا
ہم گرفتارِ بلا ہیں بے خطا پکڑے گئے

تیرے جھونکے کیلئے آخر زرِ گل سب اُڑا
یہ تو بادی چور اے بادِ صبا پکڑے گئے

جتنے جی چھوٹے نہ زندانِ محبّت سے کبھی
ایسی ساعت سے تمہارے مبتلا پکڑے گئے

کیوں ہنسی تھی اے صبا سُن کر فغانِ عندلیب
کان گلشن میں گلوں کے جو سدا پکڑے گئے

کیوں وفا کی تم سے جو ایسی بلاؤں میں پھنسے
ہم کئے کو اپنے ہیں اے بے وفا پکڑے گئے

ہم سے چوری کوے زلفِ یار میں جاتے تھے
حضرتِ دل اے ظفر اچھا ہوا پکڑے گئے

صبا گر چراغِ چمن گل کرے
تو نظارہ کیا گل کا بلبل کرے

خودی پہ تکیہ نہ بالکل کرے
خدا پر بھی انسان توکل کرے

وہ ہو روبرو اور نہ دیکھا کرے
یہ دل صبر اکیونکر تامل کرے!

کہے شام کی یہ سیاہی اُٹھے
نظر جو ترے سوئے کاکل کرے

وہ جب وصل سے دور بھاگے تو پھر
کوئی کیونکر اس سے توسل کرے

تری زلف کے سامنے تاب کیا
کہ بل باغ میں شاخِ سنبل کرے

غمِ عشق تو خاصہ کھانے کو ہے
کہو دل سے خاصہ تناول کرے

کروں کم نگاہی کا گر میں گلہ
پھر اور بھی وہ تغافل کرے

کرے تو ظفر یہ جو لاکھوں ستم
کہاں تک وہ صبر و تحمل کرے

دیگر

ہزار کوس اگر کوئی ایک دم دوڑے
مجال کیا رہِ الفت میں دو قدم دوڑے

ہوائے وصل میں اُس گل کی ہمدموں کیا کیا
ہمیشہ ہم روشِ بادِ صبح دم دوڑے

ارادہ کیا ہے خدا جانے پھر پھر اک جانب
تمہارے گھوڑے جو کاغذ کے اے صنم دوڑے

کیا نہ خاک ہوئی پر بھی جوشِ وحشت کا
ہمیشہ اُٹھ کے بگولے کی طرح ہم دوڑے

مجھے بتاؤ مرا کیا گناہِ کیا تقصیر
جو مجھ پہ کھینچ کے تم خنجرِ ستم دوڑے

کروں جو نامۂ شوق اس کو میں رقم اپنا
تو خود بخود ہو سیاہی رواں قلم دوڑے

سمجھ نہ اشک لوڑکا کہ یہ وہ آفت ہے
لگا کے آگ جو پانی کو چشمِ نم دوڑے

کروں ارادۂ گلگشت میں اگر تجھ بن
تو کاٹنے کو مجھے گلشنِ ارم دوڑے

ظفر لگے نہ لگے ہاتھ کچھ نصیبوں سے
پر اُن کی چھاتی پہ ہاتھ اپنا دمبدم دوڑے

دیگر

آپ کا یار کوئی میری طرح ہو تو سکے
عاشقِ زار کوئی میری طرح ہو تو سکے

روز اس غمزدہ کی رہتا ہوں غمخواری میں
دل کا غمخوار کوئی میری طرح ہو تو سکے

جو ترے دل میں ہے وہ سب ہے زباں پر میری
یوں خبردار کوئی میری طرح ہو تو سکے!

تیری چشمِ لب میگوں کی تصور میں مدام
مست و میخوار کوئی میری طرح ہو تو سکے

نہ ہلا در سے ترے دیکھ کے صورت تیری
نقشِ دیوار کوئی میری طرح ہو تو سکے

شکلِ آئینہ نہیں آنکھ جھپکتی ہرگز
محوِ دیدار کوئی میری طرح ہو تو سکے

ہوش ملنے کا ترے دم بیہوشی بھی
ایسا ہوشیار کوئی میری طرح ہو تو سکے

مرگیا پر نہ مسیحا کا ہوا منت کش
تیرا بیمار کوئی میری طرح ہو تو سکے

ہیں ظفر گرچہ گہربار ہمیشہ بادل
لیک خونبار کوئی میری طرح ہو تو سکے

دیگر

اگر گئی ویراں چمن بادِ خزاں گل جھاڑ کے
بس قفس میں بیٹھ رہ پر اپنے بلبل جھاڑ کے

خوب جھاڑی آج شیخی ابرِ گوہر بار کی
اُس نے بعد از غسل اپنی زلف کا گل جھاڑ کے

خاک سے پشتوں کے اُس کے ایک غسل برپا ہوا
آہ وہ محشر خرام اٹھا جو فرغسل جھاڑ کے

چشم ہو آئے گی گر تیری گردن اک پل میں صاف
اپنا گھر پلکوں سے میں آئے پُر تغافل جھاڑ کے

جھاڑتے کانٹوں کے جس سے پیٹے مجنوں کو تیری

وادیٔ وحشت میں بیٹھے بے تامل جھاڑ کے
کہدو غنچہ سے نہ پھولے مست زر پر باغ میں
آخرش جانا ہے یہاں سے ہاتھ بالکل جھاڑ کے
گر لگے دنیائے دامن سے اُن کے اے ظفر
پھینکدیں مانند گرد اہل تغافل جھاڑ کے

مرثیہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام

باندھی کمر ہے شاہ نے شہادت کیواسطے	اے مجری شفاعتِ امت کیواسطے
سر کاٹا اس جناب ہدایت مآب کا	بلوا کے گمراہوں نے ہدایت کیواسطے
زین العباد آبروئے دوجہان ہے	دُرِ یتیم بحرِ امامت کے واسطے
جاتا ہے ہائے دھوپ میں پیاسہ برہنہ پا	کوئی نہیں ہے جائے اقامت کیواسطے
کرتے تھے آب خنجر و شمشیر سے وضو	شبیر قتل گاہ میں عبادت کے واسطے
رُوحِ نبیؐ و رُوحِ علیؓ و فاطمہؓ	تھے لاش شاہ کے گرد حفاظت کیواسطے
شبیر سے یہ عرض کی حرؓ نے کہ یا امامؓ	آیا ہے یہ غلام بھی خدمت کے واسطے
گر حکم ہو تو پہلے ہوں میں آپ پر فدا	حاضر ہے جان نذر مری حضرت کیواسطے
کھو بیٹھے اپنی دولتِ ایمان و دین لعین	دنیا کے چند روز کی ثروت کے واسطے
اے دلِ غم حسینؓ میں شوربۂ سر شک	شربت ہی تشنگی ہے قیامت کے واسطے

[illegible]

رکھو ظفر پہ لطف و عنایت کی تم نظر
شاہا جناب شاہِ ولایت کے واسطے

[illegible]

تمت